آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ❖ لو تمہیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۸ اکتوبر سنہ ۱۹۱۹ء نمبر ۱۰

مطابق محرم الحرام سنہ ۱۳۳۸ھ

چندہ سالانہ

فہرست مضامین

حضرت خلیفۃ المسیح اوّل شاہی حکیم مولٰنا مولوی نور الدّین صاحبؓ کی مجرّب ادویات

سرمہ لاثانی۔ کمزوری آنکھ۔ دھندہ۔ جالا۔ سُرخی چشم۔ ضعفِ بصارت۔ آنسوؤں کا جاری رہنا۔
ان امراض کا لاثانی سرمہ۔ قیمت ۶ ماشہ عمہ

سرمہ برقی۔ کمزوری آنکھ۔ خارش۔ آنکھوں سے پانی کا آنا۔ دُھند۔ قیمت ۶ ماشہ عہ

حبّ اکسیر جنین۔ اٹھرا کی بیماری کا مجرّب المجرّب علاج۔ اٹھرا یعنی حمل کا گر جانا بچہ کا مردہ پیدا ہونا
قیمت فی تولہ عہ

مومیائی۔ بدن کی طاقت کے لئے اکسیر۔ تمام قوّتوں کا مجموعہ۔ کیسی ہی کمزوری ہو۔ اس کے
استعمال سے رفع ہو جاتی ہے۔ قیمت فی تولہ عہ

معجون مسکی۔ بدن کی زردی کمی خون۔ دل کا دھڑکنا۔ معدہ کی کمزوری۔ سانس کا پھولنا۔
ان بیماروں کے لیئے اکسیر ہے۔ قیمت ۴ تولہ صہ

حبّ سعال۔ وہ خشک کھانسی جو آرام لینا کالعدم کرے اور کھانستے کھانستے سینہ درد کرے
چند گولیوں کے کھانے سے آرام ہو جاتا ہے۔ ۴ درجن عہ

حبّ اصفر۔ مرطوب کھانسی کی ضامن۔ نزلہ زکام۔ بلغمی تپ۔ اس کے استعمال سے
کافور ہو جاتا ہے۔ فی درجن ۶

حبّ جانا۔ تمام بدن کی کھوئی ہوئی طاقت کا واپس لانا ان فرض عین ہے۔ کمی خون کو چند
یوم میں پورا کر دینا ان کا منصب ہے۔ تمام پٹھوں کی کمزوری کے لئے ان کے اندر
برقی تماشا ہے۔ دماغ کی قوّت میں بے مثل ہیں۔ نسیان کو دُور کرنا ان کے
ہاتھ کا کھیل ہے۔ منگواؤ اور فائدہ اُٹھاؤ۔ ۲۰ گولیاں عہ

تریاق معدی۔ درد شکم۔ قراقر۔ بدہضمی۔ مُتلی۔ قے۔ نفخ۔ کمزوری معدہ۔
غذا کا ہضم نہ ہونا۔ تُرش ڈکاروں کا آنا۔ ان امراض کے لئے
تحفہ کاغانی ہے فی شیشی ۱۲

مرہم۔ پُرانے اور نئے اور گندے سے گندے زخم چند یوم کے استعمال سے اچھے ہو جاتے ہیں ڈبیہ ۱۲

ملنے کا پتہ:۔ نظام جان عبد الرحمن کاغانی۔ قادیان ضلع گورداسپور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

اسلام اور تعلقات بین الاقوام

(گزشتہ سے پیوستہ)

قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ بَعۡدَ اِصۡلَاحِهَا ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ (۷-۸۳) یعنی اے مسلمانو! جب ملک میں امن قائم ہو۔ تو تمہارا یہ کام نہیں۔ کہ فساد ڈلواتے اور لوگوں کو دکھ دیتے پھرو۔ اگر تم مومن ہو۔ تو امن ہی اچھے نتائج پیدا کرنے والی چیز ہے۔ پس لوگوں سے نیک سلوک کرو۔ اور اچھا معاملہ کرو۔ کسی کو دکھ اور تکلیف نہ دو۔

اس کے متعلق رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اے مسلمانو! خدا نے ہرگز حلال نہیں کیا اس امر کو کہ دوسروں کے گھروں میں داخل ہو ڈاکے ڈالنے کے لئے۔ یا دکھ دو۔ نہ اس بات کو حلال کیا ہے۔ کہ دوسروں کے پھل کھاؤ۔ اور ان کی جانوں مالوں اور حرمتوں کو حرام کرو۔ تمہارے جو حقوق ان کے ذمہ ہوں وہ لے لو۔ لیکن یہ نہیں کہ ان سے سختی کرو۔

پھر حدیث میں آتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ایک یہودی سودا بیچ رہا تھا۔ ایک مسلمان اس کے پاس گیا۔ اور جا کر کہا۔ یہ چیز اس قیمت پر دو گے؟ یہودی نے کہا۔ اس خدا کی قسم جس نے موسیٰؑ کو سب نبیوں پر فضیلت دی ہے۔ میں اس قیمت پر نہیں دونگا۔ اس پر مسلمان نے اس کو تھپڑ مارا۔ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا۔ اور جا کر شکایت کی۔ آپ نے اس شخص کو بلا کر پوچھا تو اس نے کہا میں نے اسلئے تھپڑ مارا ہے۔ کہ اس نے موسیٰؑ کو سب نبیوں سے افضل کہا ہے۔ آپ اس پر سخت ناراض ہوئے۔ اور کہا آئندہ ایسی حرکت مت کرنا۔

اس سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ اسلام میں امن کی تعلیم کسقدر زور کے ساتھ دی گئی ہے چونکہ دوسروں کو دکھ اور تکلیف پہنچانا بہت سے فسادوں اور جھگڑوں کا موجب ہوتا ہے۔ اسلئے اسلام مسلمانوں کو حکم دیتا ہے۔ نہ کسی کا مال چھینو۔ نہ کسی سے

بد معاملگی کرو۔ نہ کسی کی عزّت و حرمت کو نقصان پہنچاؤ۔ یہ ایسی تعلیم ہے۔ کہ اگر تمام لوگ اسپر عمل کریں۔ تو بہت سے فساد رک جائیں ۞

تیسری بات یہ ہے۔ کہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے۔ کہ ایک مذہب کے لوگ دوسرے مذہب کے لوگوں کے احساسات کا خیال نہیں رکھتے۔ اور ایسے الفاظ مُنہ سے نکال دیتے ہیں۔ جو دوسروں کے لئے بڑے دُکھ اور تکلیف کا موجب ہوتے ہیں۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ لڑائی ہمیشہ مارنے پیٹنے سے ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ زبان سے بھی ہوتی ہے۔ اور زبان کی وجہ سے جو لڑائی ہوتی ہے۔ وہ بہت ہی خطرناک ہوتی ہے۔ اس لئے زبان کے متعلق بہت احتیاط ہونی ضروری ہے۔ اس کے متعلق اسلام کا یہ حکم ہے:۔ ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم کذلک زینا لکل امة عملھم ثم الیٰ ربھم مرجعھم فینبئھم بما کانوا یعملون (۶-۱۰۸) یعنی اے مسلمانو! تمہیں ہرگز اس بات کی اجازت نہیں ہے۔ کہ غیر مذہب والے جن کو اللہ کے سوا پوجتے ہیں۔ ان کو گالیاں دو۔ اگر تم ایسا کروگے۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ وہ بے علمی کی وجہ سے اللہ کو گالیاں دینگے۔ آخر وہ بھی انسان ہیں۔ ان میں بھی احساس کا مادہ ہے۔ ان کے دل پتھر کے نہیں ہیں۔ پس اگر تم ان کی گالیاں نہیں سُننا چاہتے۔ تو تم بھی ان کے بزرگوں کو گالیاں نہ دو۔ اگر کوئی مسلمان زبان کی چھری چلاتا ہے۔ اور حضرت کرشنؑ حضرت رامؑ اور باوا نانکؒ کو گالیاں نکالتا اور سخت الفاظ میں یاد کرتا ہے۔ تو ان کو ماننے والے لوگ بھی مسلمانوں کے بزرگوں بلکہ خدا کو گالیاں دینگے۔ اور اس طرح آپس میں دشمنی اور عداوت پیدا ہو جائیگی۔ ہم احمدی تو مانتے ہیں۔ کہ حضرت رامؑ اور کرشنؑ خدا کے نبی تھے۔ اور حضرت باوا نانکؒ ایک بزرگ انسان تھے۔ مگر جو مسلمان ان کو ایسا نہیں مانتے۔ وہ خیال کریں۔ کہ وہ ان کے متعلق بُرے الفاظ استعمال کرینگے۔ تو کیا ان کے ماننے والے مسلمانوں کے بزرگوں کے متعلق استعمال

نہ کرینگے۔ ضرور کرینگے۔ جس کا نتیجہ یہ ہو گا۔ کہ آپس میں عداوت اور دشمنی پیدا ہو جائیگی۔ پس صلح اور آشتی اتفاق اور اتحاد کے لئے ضروری ہے۔ کہ دوسرے لوگوں کے مذہبی جذبات اور احساسات کا خاص خیال رکھا جائے۔ اور کوئی دل دُکھانے والا کلمہ کسی مذہب کے بزرگوں کے متعلق استعمال نہ کیا جائے۔ اسلام مسلمانوں کو یہی تعلیم نہیں دیتا۔ کہ دوسروں کو جبراً مسلمان نہ بناؤ۔ اور یہی نہیں کہتا کہ دوسروں کو مذہبی اختلاف کی وجہ سے دکھ اور تکالیف نہ دو۔ بلکہ یہ بھی کہتا ہے۔ کہ دوسروں کے جذبات کو بھی صدمہ نہ پہنچاؤ۔ اور زبان سے بھی کسی کو آزردہ نہ کرو۔

اس کے متعلق قرآن کریم کا حکم تو میں بتا آیا ہوں اب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل پیش کرتا ہوں۔ ایک دفعہ جب کفار نے صحابہؓ کو سخت تنگ کیا۔ تو وہ رسول کریمؐ کے پاس گئے۔ اور جا کر کہا:۔

آپؐ مشرکین کے لئے بد دعا کریں۔ کہ خدا انہیں تباہ کرے۔ آپؐ نے فرمایا میرا یہ کام نہیں۔ اور خدا نے مجھے لعنتیں ڈالنے کے لئے نہیں بھیجا۔ بلکہ رحمت بنا کے بھیجا ہے۔ اس لئے میں ایسا نہیں کر سکتا۔ گو جھوٹے پر لعنت کرنا کوئی گالی نہیں۔ اور نہ بُری بات تھی۔ کیونکہ جو جھوٹا اور شریر ہے۔ اس پر خدا کی لعنت ہونی چاہیئے۔ لیکن جس پر کی جائے۔ وہ بُرا مناتا ہے۔ اس لئے ان کے احساسات کا خیال کر کے رسول کریمؐ نے ایسا نہ کیا۔ پس اگر ایک دوسرے کے احساسات کا خیال رکھا جائے۔ تو بہت سے فتنے دُور ہو سکتے ہیں۔ اور اگر اس کو نظر انداز کر دیا جائے۔ تو بڑے بڑے خطرناک نتائج نکلتے ہیں۔ مثلاً دیکھو جرمن چانسلر نے لڑائی شروع ہونے کے وقت کیا چھوٹا سا فقرہ مُنہ سے نکالا تھا۔ کہ معاہدہ ایک کاغذ کا ٹکڑا ہوتا ہے۔ اور کچھ نہیں۔ لیکن اس سے کس قدر تباہی و بربادی پیدا ہوئی۔ بہت سے ملک جو جرمنی کے مقابلہ پر کھڑے ہوئے انہوں نے اور باتوں کے علاوہ اس فقرہ کو بھی مدِ نظر رکھا۔ پھر اور سیاسی وجوہات بھی تھیں۔ جن کے ذریعہ اتحادی سلطنتوں نے لوگوں کو جرمنی کے خلاف جوش دلایا۔ لیکن اس فقرہ سے بھی اپنے ممالک میں جوش پھیلانے

میں انہیں بڑی مدد ملی۔ اور انہوں نے اسی قسم کے فقروں سے عوام میں ایک جوش پیدا کر دیا۔ اور ان کے جذبات کو جرمنی کے خلاف پورے زور کے ساتھ اُبھار دیا۔ تو ایسی باتیں بہت بڑا فتنہ ڈلواتی اور بڑے خطرناک نتائج کا موجب بن جاتی ہیں۔ قرآن بڑے زور کے ساتھ مسلمانوں کو اس قسم کی باتوں سے روکتا ہے۔ اور تاکید کرتا ہے۔ کہ کوئی مسلمان اس طرح نہ کرے۔ جب اسلام کی یہ تعلیم ہے۔ تو اس کے مقابلہ میں مسلمان بھی دوسروں سے مطالبہ کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ کہ کوئی ان کے ساتھ بھی ایسا نہ کرے۔ اگر ایسا ہو جائے۔ تو اسکے بعد آپس میں صلح اور اتحاد ہونا ایک یقینی امر ہے۔

اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ آپس میں صلح اور اتفاق کو مستحکم اور مضبوط کرنے کے لئے یہی ضروری نہیں ہوتا۔ کہ ایک دوسرے کے احساسات کا خیال رکھا جائے۔ بلکہ یہ بھی ضروری ہوتا ہے۔ کہ آپس میں نیک سلوک کیا جائے۔ اسلام کے متعلق عام لوگوں کا یہ خیال ہے۔ کہ اس میں غیر مذاہب کے لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ حالانکہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے۔ جس میں نہایت وضاحت کے ساتھ عمدہ سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ حکم ہے وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحبّ المعتدین (۲-۱۸۶) اے مسلمانو! اللہ کے رستہ میں ان لوگوں سے مقابلہ کرو اور ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔ مگر کسی پر کسی قسم کی زیادتی مت کرو۔ اللہ زیادتی کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ اسلام نے اپنے پیرؤوں کو یہ ہرگز حکم نہیں دیا۔ کہ جو تم سے برسر پیکار نہیں اور لڑتے نہیں۔ ان سے محض اس لئے لڑو کہ وہ مسلمان نہیں۔ بلکہ یہ بتایا ہے۔ کہ جو تم سے لڑتے ہیں۔ انہی سے لڑو۔ اور ان پر بھی کسی قسم کی زیادتی نہ کرو۔ اللہ اس کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ دیکھئے یہ کیسی اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے۔ اب اگر تمام مذاہب والے۔ اس پر عمل کریں۔ تو پھر آئے دن آپس میں لڑائیاں اور فساد کیوں ہوتے رہیں۔

اس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل پیش کرتا ہوں۔

حضرت عبد اللہؓ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے جو بڑے بزرگ گذرے ہیں ان کے متعلق آیا ہے۔ کہ وہ گھر میں آئے تو دیکھا۔ کہ بکری ذبح کی ہوئی ہے۔ آپ نے پوچھا کیا اپنے یہودی ہمسائے کو گوشت بھیجا گیا ہے۔ کہا گیا نہیں۔ انہوں نے کہا ابھی بھیجو۔ مَیں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سُنا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ جبریل اتنی بار مجھے ہمسایہ سے سلوک کرنے کے متعلق حکم دینے کے لئے آیا ہے۔ کہ مَیں نے خیال کیا کہ ہمسایہ کو وارث بنا دے گا۔ یہ ہے اسلام کی تعلیم ہمسایہ لوگوں کے متعلق۔ اگر سب مذاہب والے اس پر عمل کریں۔ اور تمدنی معاملات میں ایک دوسرے کا خیال رکھیں۔ تو بہت جلدی اتفاق اور اتحاد پیدا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جس کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے۔ وہ ضرور نرم ہو جاتا ہے۔ اور جب کوئی نرم ہو جائے۔ تو پھر کسی قسم کا جھگڑا پیدا نہیں ہو سکتا۔ نیک سلوک تو الگ رہا۔ اگر کوئی شرارت کرکے بھی نرم ہو جائے۔ تو بھی دوسرے کا اس پر ہاتھ نہیں اُٹھ سکتا۔ ایک واقعہ مَیں اپنے متعلق سُناتا ہوں۔ ہم نے ایک چھوٹی سی کشتی بنائی ہوئی تھی۔ گاؤں کے دوسرے لڑکے روز اسے پانی میں لے جاتے اور لے جا کر خراب کرتے تھے۔ ایک دن میں نے لڑکوں کو کہدیا۔ کہ جب وہ کشتی لینے آئیں۔ تو مجھے اطلاع دینا۔ دوسرے دن جب وہ آئے۔ اور لڑکوں نے مجھے بتایا۔ تو مَیں ان کے پاس گیا۔ اور لڑکے تو بھاگ گئے۔ لیکن ایک کو مَیں نے پکڑ لیا۔ اس نے میرے آگے مُنہ رکھدیا۔ اور کہنے لگا۔ لو مرزا جی جتنا مارنا ہے مار لو۔ اس پر مجھے رحم آگیا۔ اور مَیں نے اسے چھوڑ دیا۔ یہ بچپن کا واقعہ ہے۔ پس جب نرمی اختیار کرنے پر ایک بچہ کے دل میں بھی ایسی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ تو سمجھدار انسان کے دل میں کیوں نہ ہو گی۔ اس میں شک نہیں کہ وہ لوگ جو دنی طبع ہوتے ہیں۔ وہ نرمی سے

نرم نہیں ہوتے۔ لیکن اکثر لوگوں میں یہ احساس پایا جاتا ہے ؎

غیر مذاہب کے لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے متعلق ایک اور روایت ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کی صاحبزادی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سالی کہتی ہیں۔ کہ میری ماں جو مشرکہ تھی۔ میرے پاس آئی۔ مَیں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو کہلا بھیجا۔ یا رسول اللہؐ میری ماں آئی ہے۔ اور مشرکہ ہے۔ اور اسلام سے سخت متنفر ہے۔ کیا مَیں اس سے نیک سلوک کروں۔ آپؐ نے فرمایا ہاں ضرور کرو۔ تو دنیاوی معاملات میں مذہب نیک اور اچھا سلوک کرنے کی ممانعت نہیں کرتا۔ بلکہ حکم دیتا ہے۔ دنیاوی تعلقات چونکہ انسانیّت کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں۔ اس لئے انسان بننے کے لئے ان کا امتیاز کرنا ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی پہلے انسان بنیگا۔ تو پھر مسلمان یا ہندو یا عیسائی یا سکھ بن سکے گا۔ ورنہ جو انسان ہی نہیں یعنی انسانیت کے صفات اس میں نہیں پائے جاتے۔ اس کا کیا حق ہے۔ کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان یا ہندو یا عیسائی یا سکھ کہے۔ یہ تو اچھے سلوک کے متعلق ہوا۔ اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے۔ کہ آپس کے معاملات اور لین دین میں دیانتداری سے کام لیا جائے۔ کئی لوگ ہوتے ہیں۔ جو بے وقوفی اور نادانی سے یہ سمجھتے ہیں۔ کہ غیر مذاہب کے لوگوں کا مال یا کوئی اور چیز دھوکہ اور فریب سے لے لینا جائز ہے۔ چنانچہ کئی لوگ مجھ سے بھی پوچھتے ہیں۔ کہ کیا گورنمنٹ کی چیزوں سے کچھ رکھ لینا بھی ناجائز ہے۔ اور یہ بھی خیانت میں داخل ہے۔ اسی طرح ہندوؤں مسلمانوں میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں۔ جو ایک دوسرے کو دھوکہ فریب دیکر خود فائدہ اُٹھا لینا جائز سمجھتے ہیں۔ جو کہ سخت بددیانتی ہے۔ اور جب تک یہ دُور نہ ہو۔ اس وقت تک آپس میں ہرگز حقیقی اتحاد و اتفاق

نہیں پیدا ہو سکتا۔ کیونکہ جب ایک شخص دیکھے گا۔ کہ فلاں مذہب کے آدمی نے میرے ساتھ چند پیسوں کے لئے بددیانتی کی ہے۔ تو پھر اپنے ملک کی باگ اس کے ہاتھ میں دینے کے لئے کس طرح تیار ہو سکے گا۔ پس پہلے اپنے گھر میں اطمینان ہونا چاہیئے۔ کہ جن کے ساتھ تعلقات ہیں۔ وہ خیانت نہیں کرتے۔ اور پھر بڑے بڑے امور میں ایک دوسرے پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ اب اپنے گھر کی تو یہ حالت ہے۔ کہ معمولی معمولی باتوں کے متعلق ایک دوسرے پر اعتبار نہیں کیا جاتا۔ اور گورنمنٹ کے ساتھ جو تعلقات ہیں۔ ان کا یہ حال ہے۔ کہ اگر مسلمانوں کو گورنمنٹ عہدے دیتی ہے۔ تو ہندو اس کے خلاف شور مچا دیتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے یہی کہ ایک دوسرے پر اعتبار اور اعتماد نہیں ہے۔ ٹیبوں پر کھڑے ہو کر لیکچروں میں کہدینا آسان اور بہت آسان ہے۔ کہ آپس میں اتفاق اور اتحاد سے رہنا چاہیئے۔ لیکن صرف زبانی کہنے سے نہ کبھی پہلے اتفاق ہوا ہے۔ نہ اب ہو سکتا ہے۔ اتفاق و اتحاد کا وعظ کہنے والوں کو اپنے عمل اور اپنے خیالات کو دیکھنا چاہیئے۔ کہ وہ کیا ہیں۔ اور روزمرہ واقعات سے دریافت کرنا چاہیئے۔ کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ ان واقعات کو جو آئے دن رونما ہوتے رہتے ہیں۔ جاننے والا کس طرح آنکھیں بند کر کے کہہ سکتا ہے۔ کہ اس طرح ہندو مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد پیدا ہو گیا ہے۔ یا ہو سکے گا ؛

قرآن کریم میں اس بات سے بڑے زور کے ساتھ روکا گیا ہے۔ کہ ایک قوم دوسری کے ساتھ بددیانتی کرے۔ چنانچہ آیا ہے۔ ومن اھل الکتٰب من ان تامنه بقنطار یؤده الیک ومنھم من ان تامنه بدینار لا یؤده الیک الا مادمت علیه قائما۔ ذٰلک بانھم قالوا لیس علینا فی الامیین سبیل

یعنی اہل کتاب میں سے بعض تو ایسے ہیں۔ کہ اگر ان کے پاس خزانہ بھی رکھدیا جائے۔ تو واپس کردیں۔ مگر ان میں ایسے بھی ہیں۔ کہ اگر انہیں ایک دینار دیا جائے۔ تو بھی اس وقت تک ادا نہ کریں۔ جب تک تو ان پر کھڑا نہ ہے یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں۔ کہ امیوں کے ساتھ بدمعاملگی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس کے متعلق فرمایا و یقولون علی اللہ الکذب وھم یعلمون۔ یہ جھوٹ کہتے ہیں اللہ پر حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ اس قسم کی تعلیم نہیں دے سکتا۔ تو اس قسم کی بددیانتی کو خدا نے ناپسند فرمایا ہے۔ اس لئے کسی مسلمان کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ کسی ہندو۔ عیسائی یا سکھ یا اور کسی مذہب کے انسان کے ساتھ بددیانتی کرے۔ اسی طرح اگر دیگر مذاہب کے لوگ کریں۔ تو آپس میں بہت جلد حقیقی امن اور پورا اتحاد و اتفاق قائم ہو سکتا ہے۔ ورنہ جب تک آپس میں ایک دوسرے پر اعتبار نہ ہو۔ اتحاد اور اتفاق کا ہونا ناممکن ہے ؟

پھر ایک اور بات جو صلح کے لئے ضروری ہے۔ وہ آپس میں ملکر کام کرنا ہے۔ ایک تو صلح کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ آپس میں دشمنی اور عداوت نہ ہو۔ اور ایک یہ کہ وہ امور جن میں سب مذاہب والے متفق ہوں۔ ان کے لئے ملکر کام کیا جائے۔ اس کے متعلق میں بتاتا ہوں۔ کہ اسلام نے کیا حکم دیا ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے۔ ودوا لو تکفرون کما کفروا فتکونون سواء فلا تتخذوا منھم اولیاء حتی یھاجروا فی سبیل اللہ فان تولوا فخذوھم واقتلوھم حیث وجدتموھم ولا تتخذوا منھم ولیا ولا نصیرا الا الذین یصلون الی قوم بینکم و بینھم میثاق۔ اس آیت میں فرمایا۔ کہ فلاں فلاں معاملہ میں اس طرح کرو۔ مگر ان لوگوں سے نہیں جن سے تمہارا معاہدہ ہو۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ قرآن نے دوسروں کے ساتھ باوجود اختلافات مذہب کے ملکر کام کرنے کے معاہدے کرنے کی اجازت دی ہے۔ اب میں اس کے

متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل بتاتا ہوں۔ آپ جب مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے گئے۔ اس وقت مدینہ میں یہود اور مشرک دو قومیں تھیں۔ رسول کریم صلعم کے جانے پر مشرک تو آپ پر ایمان لے آئے۔ مگر یہود سوائے چند آدمیوں کے باقی آپکے خلاف ہی رہے ان سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معاہدہ کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ یہود اور مسلمان ملکر مدینہ کی حفاظت کرینگے۔ اور اگر کوئی دشمن حملہ کریگا۔ تو ملکر اس کا مقابلہ کرینگے۔ ہر فریق اپنا خرچ آپ برداشت کریگا۔ یہود کا دین یہودیوں کے ساتھ اور مسلمانوں کا دین مسلمانوں کے ساتھ ہوگا۔ جو شخص آپس میں کسی پر ظلم کریگا۔ اس کا گناہ اسکی جان پر ہوگا۔ جو مسلمان اس معاہدہ سے نکلیگا۔ وہ رسول کے حکم سے نکل جائیگا۔ پس ہر ایک کا فرض ہے کہ اس کی ذمہ واریوں کا پابند ہو ؛

اس معاہدہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تعلیم پر خود عمل کیا۔ اور یہودی جو سب سے زیادہ اسلام کے ساتھ دشمنی اور عداوت رکھتے تھے۔ ان کے ساتھ ایک کام کو ملکر کرنے کے لئے معاہدہ کیا۔ اور اس معاہدہ کو اس وقت تک نہیں توڑا۔ جب تک کہ انہوں نے خود نہیں توڑ دیا۔ پس آپس میں اتحاد اور اتفاق قائم کرنے کا یہ بھی ایک طریق ہے۔ کہ آپس میں معاہدہ کر لیا جائے۔ اور پھر اس معاہدہ کی پابندی اختیار کی جائے۔ اس زمانہ میں یہ بھی ایک بہت بڑا نقص پایا جاتا ہے۔ کہ جو لوگ آپس میں معاہدے کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی پابندی کہ ناضروری نہیں ہے۔ جب تک ضرورت ہو۔ اس وقت تک معاہدہ ہے۔ جب ضرورت نہ رہی۔ معاہدہ بھی نہ رہا۔ جیسا کہ جرمنی نے کہا تھا۔ کہ معاہدہ ایک کاغذ کا پرزہ ہوتا ہے۔ اور روس کے بادشاہ کا قول مشہور ہے۔ کہ معاہدے توڑنے کے لئے ہی ہوتے ہیں۔ مگر اسلام معاہدہ کی بڑی سختی کے ساتھ پابندی کرنے کا حکم دیتا ہے۔ چنانچہ آتا ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (۹-۴)

یعنی مشرکین میں سے وہ لوگ جن کے ساتھ تمہارا عہد ہے۔ اور اُنہوں نے عہد کو نہیں توڑا۔ اور نہ تمہارے خلاف کسی کی مدد کی ہے۔ پس تم ان کے عہد کی مُدت کو پورا کرو۔ اور یاد رکھو۔ کہ اللہ متقیوں کے ساتھ محبّت رکھتا ہے۔ پھر فرمایا واما تخافن من قوم خیانۃ فانبذ الیھم علیٰ سواء ان اللہ لا یحب الخائنین۔ (۸ - ۶۰) یعنی اگر تم کسی قوم سے معاہدہ کرو۔ اور تمہیں شک ہو۔ کہ وہ اندر ہی اندر اس کی خلاف ورزی کر رہی ہے۔ تو یہ نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ تم چُپ چاپ ان کے خلاف لڑنے کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ بلکہ ان کی خیانت کو ان پر ظاہر کرو۔ اور کہو کہ یہ بات ہے۔ جس کی وجہ سے تم سے جنگ کی جاتی ہے ؂

اب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلّق دیکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہے۔ کہ جو شخص کسی ایسی قوم کے آدمی کو قتل کرے۔ جس سے معاہدہ ہو۔ اسے خدا جنّت میں داخل نہیں کریگا۔ اور نہ صرف داخل ہی نہیں کریگا۔ بلکہ وہ جنّت کی بُو بھی نہیں سونگھیگا۔ اور جنّت کی بُو ایسی ہے۔ کہ چالیس سال کے عرصہ کی مسافت تک پُہنچ جاتی ہے۔ یہ الگ مضمون ہے۔ کہ چالیس سال کی مسافت سے کیا مراد ہے۔ یہ مذہبی استعارے ہوتے ہیں۔ اس کے متعلق اگر مَیں بیان کرنا شروع کروں۔ تو ایک ایسا مضمون شروع ہو جائیگا۔ جو اس موضوع سے تعلّق نہیں رکھتا۔ جس پر اس وقت مَیں بیان کر رہا ہوں۔ مگر اس سے اتنا تو معلوم ہو گیا۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے والے کو کس طرح زجر کی ہے ؂

پھر صلح حدیبیہ جو ہوئی تھی۔ اس میں ایک یہ شرط قرار پائی تھی۔ کہ اگر مکّہ کے کوئی شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آجائے۔ تو آپ اُسے واپس کر دیں۔ اور اگر آپ کے پاس سے کوئی مکّہ چلا جائے۔ تو واپس نہ کیا جائے۔ یہ معاہدہ ہو چکنے کے بعد مکّہ سے ایک مسلمان بھاگ کر رسول کریمؐ کے پاس آگیا۔ اس کے لینے کے لئے مکّہ کے لوگ آئے۔ اور آکر کہا۔ کہ معاہدہ کے مطابق اسے واپس کر دو۔ اس شخص نے

رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بتایا۔ کہ مجھے یہ یہ دُکھ دیئے گئے ہیں۔ اور بہت ستایا گیا ہے۔ اس لئے بھاگ کر آیا ہوں۔ کیا آپ پسند کرتے ہیں۔ کہ یہ لوگ مجھے لیجا کر پھر اُسی طرح دُکھ دیں۔ آپ نے فرمایا۔ چونکہ معاہدہ ہو چکا ہے۔ اس لئے خواہ کچھ ہو۔ جانا پڑیگا۔ چنانچہ وہ چلا گیا۔ لیکن راستہ میں ان آدمیوں میں سے جو اسے لیجا رہے تھے ایک کو مار کر پھر بھاگ آیا۔ اور آکر رسول کریمؐ کو کہا۔ کہ آپ نے تو مجھے معاہدہ کے مطابق بھیجدیا تھا۔ اگر وہ مجھے نہیں لے جا سکے۔ تو اس میں آپ پر کوئی حرف نہیں آتا۔ آپ نے کہا تو فساد ڈلوانا چاہتا ہے ؛

ان واقعات سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ اسلام نے معاہدات کی کیا قدر اور وقعت رکھی ہے۔ اگر سب لوگ ان کی ایسی ہی قدر کریں۔ تو نہایت مضبوط صلح ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر دلوں میں یہ خیال ہو۔ کہ جب موقع ملیگا۔ نقصان پُہنچا لینگے۔ تو صلح نہیں ہو سکتی ؛

پھر اور بات صلح اور اتفاق کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ اگر دو فریقوں میں سے کسی ایک سے کوئی غلطی ہو جائے۔ تو ایک حد تک اس کو برداشت کر لینا چاہیئے۔ اس کے متعلق قرآن کریم کی یہ آیت پیش کرتا ہوں۔ کہ لتبلون فی اموالکم و انفسکم ولتسمعن من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم و من الذین اشرکوا اذی کثیرا وان تصبروا وتتقوا فان ذٰلک من عزم الامور (۳-۱۸۶) خدا تعالیٰ مسلمانوں کو فرماتا ہے۔ کہ اے مسلمانو! تمہارے مالوں اور جانوں کے ذریعہ تمہاری آزمائشیں ہونگی۔ یہودی۔ عیسائی اور مشرک تم کو دُکھ دینگے۔ اگر تم صبر کرو گے۔ اللہ کا تقویٰ کرو گے۔ اور تکلیفوں کو برداشت کرو گے۔ تو یہ بہت بڑی بات ہوگی ؛

عام طور پر دیکھا جاتا ہے۔ کہ کئی لوگ دوسروں کے ساتھ نیک اور اچھا سلوک تو کر سکتے ہیں۔ اور کرتے ہیں۔ لیکن جب ان پر کوئی زیادتی کرے۔ اور تکلیف دے۔ تو اس کو برداشت نہیں کر سکتے۔ مگر اسلام نہ صرف یہ حکم دیتا ہے۔ کہ دوسروں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کا سلوک کرو۔ کسی کو دُکھ نہ دو۔ بلکہ یہ بھی کہتا ہے۔ کہ اگر کسی کی طرف

سے غلطی کی وجہ سے زیادتی بھی ہو جائے۔ تو اس کو برداشت کرو۔ یہ نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ ذرا ذرا سی بات پر لڑنے جھگڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ ؎

اس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عمل دیکھئے۔ آپ کا یہود سے معاہدہ تھا۔ مگر وہ آکر آپ کو السلام علیکم کی بجائے السام علیک طعنہ کے طور پر کہتے۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اے محمدؐ تو مر جائے۔ ایک دفعہ کچھ لوگوں نے آکر جب آپ سے اس طرح کہا۔ تو آپ کی ایک بی بی سن رہی تھیں۔ انہوں نے جواب میں کہا علیکم سام ولعنۃ اللہ تم پر موت ہو اور اللہ کی لعنت۔ یہ سُن کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا۔ اے عائشہ تمہیں یہ نہیں کہنا چاہیئے تھا۔ اور اگر کہا ہی تھا۔ تو لعنۃ اللہ کیوں کہا۔ علیکم کہدینا کافی تھا۔ تو رسول کریمؐ نے یہی تعلیم دی ہے۔ کہ صبر اور برداشت کی طاقت پیدا کرنا چاہیئے۔ اور ذرا ذرا سی بات پر لڑنے مرنے کو تیار نہیں ہو جانا چاہیئے ؎

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے۔ کہ قوموں کا آپس میں اتفاق اور اتحاد ہوتا ہے لیکن حالات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں۔ کہ ایک قوم سمجھتی ہے۔ کہ جب تک لڑائی نہ کی جائیگی۔ میں قائم نہیں رہ سکونگی۔ یا اگر آپس میں لڑائی شروع ہونے کا ڈر ہو۔ تو اور کسی سے لڑائی شروع کر دی جاتی ہے۔ سیاست دان لوگ اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھتے ہیں لیکن اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا۔ بلکہ یہ کہتا ہے۔ کہ وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحبُّ المعتدین۔ (۲-۱۸۶) تم کو انہی لوگوں سے لڑنے کی اجازت ہے۔ جو تم سے لڑتے ہیں۔ اور تمہارے دین کو مٹانا چاہتے ہیں۔ اور جو تم سے لڑنا چھوڑ دیں اگر ان سے لڑو گے۔ تو یہ زیادتی ہوگی۔ اور اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ؎

اس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عمل دیکھئے۔ آپ جب تک مکہ میں رہے۔ کبھی کسی سے نہیں لڑے۔ اور جب مخالفین نے سخت تنگ کیا۔ تو مکہ چھوڑ کر مدینہ آگئے۔ یہاں بھی آپ نے پہل نہیں کی۔ ہاں اگر سخت مجبوری ہو گئی۔

تو وہ الگ بات ہے۔ مگر آپ ابتداً لڑنا نہیں چاہتے تھے ؛

اب سوال ہوتا ہے۔ کہ اگر لڑنے کی ضرورت ہو۔ اور سخت مجبوری درپیش ہو جائے۔ تو پھر کیا کیا جائے۔ عام طور پر یہ کیا جاتا ہے۔ کہ اگر کچھ عرصہ لڑائی سے پہلوتہی کی جاتی ہے۔ تو جب لڑائی شروع ہوتی ہے۔ اس وقت یہی کہا جاتا ہے۔ کہ اب دشمن کو پیس ہی ڈالنا چاہیئے۔ بہت لوگ جنہوں نے علم اخلاق کا مطالعہ نہیں کیا ہوگا۔ وہ نہیں سمجھیں گے۔ کہ جو قوم پہلے صبر سے کام لے سکتی ہے۔ کس طرح ہو سکتا ہے۔ کہ لڑائی کے وقت وہ دشمنوں کو پیس ہی ڈالنا چاہے۔ مگر ایسا ہوتا ہے۔ کہ پہلے صبر اور برداشت سے کام لیا جاتا ہے۔ مگر جب لڑتے ہیں۔ تو پیس ہی ڈالتے ہیں۔ لیکن اسلام اس سے منع کرتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ جس قدر دشمن تم پر تعدّی کرتا ہے۔ اسی قدر بدلہ لینے کی تمہیں اجازت ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ کہ دشمن کو پیس ہی ڈالنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ دراصل یہ حکم نہایت اعلیٰ درجہ کی حکمت پر مبنی ہے۔ کیونکہ جو قومیں یہ چاہتی ہیں۔ کہ اپنے دشمن کو پیس ہی ڈالیں۔ تاکہ وہ آیندہ سر نہ اٹھا سکے۔ وہ دراصل اس طرح جنگ کی بنیاد رکھتی ہیں۔ اور جو اتنی ہی سزا دیتی ہیں۔ جتنی ضروری ہوتی ہے۔ وہ صلح کی بنیاد رکھتی ہیں۔ اس لئے دشمن کو تباہ اور مٹا دینے کی کوشش نہیں ہونی چاہیئے بلکہ مناسب سزا دے دینی چاہیئے ؛

اس کے علاوہ ایک اور بات ہے۔ اور وہ یہ کہ بعض قومیں لڑتے وقت انصاف کو چھوڑ کر شرارت سے کام لیتی ہیں۔ اور ان کا مقابلہ کرنے والے بھی شرارت سے کام لیتے ہیں۔ اسلام کہتا ہے۔ جب اپنی حفاظت کے لئے لڑنے کی ضرورت ہو۔ لڑو۔ لیکن شرارت کے مقابلہ میں شرارت سے کام لینا چاہیئے۔ بلکہ عدل کو مدِّ نظر رکھنا چاہیئے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ ولا یجرمنکم شنآن قوم ان صدوکم عن المسجد الحرام ان تعتدوا (۵-۳) اے مسلمانو! اگر تمہیں بعض قوموں نے مکّہ سے روک کر عبادت نہیں کرنے دی۔ تو اس کی وجہ سے شرارت نہ کرنا چاہیئے ؛

یہ وہ تعلیم ہے۔ جس سے امن اور اتفاق قائم رہ سکتا ہے۔ کہ اگر کوئی شرارت کرے۔ تو اس کے مقابلہ میں شرارت سے ہی کام نہیں لینا چاہیئے۔ اور عدل و انصاف کو چھوڑ نہیں دینا چاہیئے۔ بلکہ عدل سے کام لینا چاہیئے ؕ

اس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل دیکھئے۔ احد کی جنگ میں مخالفین نے یہ شرارت کی۔ کہ مسلمانوں کے جو آدمی شہید ہوئے تھے۔ ان کے ناک کان زبان وغیرہ کاٹ کر ان کی بے عزتی کی۔ اور مرے کو مارے شاہ مدار کا ثبوت دیا۔ یہ ان کی ایسی سخت شرارت تھی جس سے مسلمانوں کو اور خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت تکلیف پہنچی۔ مگر آپ نے مسلمانوں کو تاکید فرما دی۔ کہ تم ایسا نہ کرنا ؕ

اسی طرح آپ جب فوجوں کو بھیجا کرتے تو حکم دیتے۔ کہ لڑائی کے وقت اگر دشمن کسی قسم کی شرارت سے کام لے۔ تو تمہارے لئے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ ایک نہایت ضروری اور اہم حکم ہے۔ کیونکہ شرارت کے مقابلہ میں اگر شرارت سے ہی کام لیا جائے۔ تو فتنہ اور فساد بہت بڑھ جاتا ہے۔ اور آپس میں اتفاق اور اتحاد کی صورت پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اگر ایک طرف سے شرارت ہو۔ اور دوسری طرف سے عفو کیا جائے۔ تو شرارت کرنے والا خود نادم اور شرمندہ ہو کر آئندہ اس سے باز آجاتا ہے ؕ

پھر جب لڑائی شروع ہو جائے۔ اور دشمن صلح کی درخواست کرے۔ تو اسلام ایسے موقع پر حکم دیتا ہے۔ کہ وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوکل علی اللہ انه هو السمیع العلیم (۸-۶۳) اگر دشمن صلح پر آمادگی ظاہر کرے۔ تو تمہیں بھی صلح کر لینی چاہیئے۔ اور اللہ پر توکل رکھنا چاہیئے۔ وہ سننے اور جاننے والا ہے ؕ

اب اگر دو قوموں میں کوئی تنازع پیدا ہو جائے۔ اور ایک قوم صلح کے لئے آگے بڑھے۔ تو دوسروں کو بھی آگے بڑھنا چاہیئے۔ اس طرح بہت جلدی امن اور صلح

ہو سکتی ہے ۔

پھر بہت سے جھگڑے پیدا ہونے کی یہ وجہ ہوتی ہے۔ کہ اپنے اپنے فریق کے لوگوں کی خواہ وہ غلطی پر ہوں۔ طرفداری کی جاتی ہے۔ اور ہندوستان میں یہی فتنہ کا بہت بڑا موجب ہے۔ اسلام اس بات کو ہرگز جائز نہیں رکھتا۔ چنانچہ حکم ہے۔ یٰایّھا الذین اٰمنوا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط ولا یجرمنکم شنأن قوم علی الا تعدلوا۔ اعدلوا۔ ھو اقرب للتقوٰی واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون (۵-۱۱) یعنی اے مسلمانو ہمیشہ سچ پر قائم رہو۔ اور انصاف کرو۔ کبھی ایسا نہ ہو۔ کہ دشمنی اور عداوت کی وجہ سے کسی قوم پر ظلم کرو۔ اور اپنے آدمیوں کی رعایت کرو۔ تقویٰ کے لئے یہی ضروری ہے۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ بے شک اللہ جانتا ہے۔ جو کچھ کہ تم کرتے ہو۔

اس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے واقعات نہایت صاف طور پر پائے جاتے ہیں۔ تاریخ میں آتا ہے۔ کہ ایک مسلمان نے کسی کی زرہ چرا کر ایک یہودی کے گھر رکھدی۔ جب جھگڑا ہوا۔ تو کہا گیا۔ کہ یہودی چور ہے۔ جس کے گھر سے زرہ نکلی ہے۔ اس پر بعض مسلمانوں نے اس مسلمان کی بغیر تحقیقات کے تائید کرنی شروع کردی۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب تحقیقات کی۔ تو معلوم ہوا کہ مسلمان ہی مجرم ہے۔ اس پر رسول کریمؐ نے ان مسلمانوں کو تنبیہ کی۔ جنہوں نے مسلمان کی تائید کی تھی۔ اور خدا تعالیٰ نے

ان کو ڈانٹا کہ ....

....

جب تمہیں معلوم ہو گیا تھا۔ کہ مسلمان حق پر نہیں۔ تو خواہ وہ تمہاری قوم کا ہی تھا۔ تمہیں اس کی مدد نہیں کرنی چاہیئے تھی۔ جو حق پر ہو اسکی مدد کرنی چاہیئے ۔

یہ حالت اگر اب ہندوستان میں پیدا ہو جائے۔ تو بہت سے جھگڑے اور

فساد رک سکتے ہیں۔ بعض اوقات مسلمانوں سے ہندوؤں کو اور ہندوؤں سے مسلمانوں کو کوئی دکھ اور تکلیف پہنچتی ہے۔ ایسے موقع پر بجائے اس کے کہ اپنی اپنی قوم کی خواہ اسی کا قصور ہو مدد کی جائے۔ اگر دوسری قوم کے لوگ اس قوم کی مدد کریں۔ یا اس سے ہمدردی کا اظہار کریں۔ جسے تکلیف پہنچی ہو۔ تو آپس کے تعلقات بہت اچھے ہو سکتے ہیں۔ لیکن ایسا نہیں کیا جاتا۔ اور اپنی ہی قوم کے لوگوں کی پاسداری کی جاتی ہے۔ پچھلے ہی دنوں ہندو مسلمانوں کے جو فساد ہوئے۔ ان میں جن کی زیادتی تھی۔ ان کے لیڈر کھڑے ہو جاتے۔ اور اپنی قوم کے مفسد لوگوں سے ہمدردی نہ کرتے۔ بلکہ جن پر ظلم ہوا تھا۔ ان کی دلجوئی کرتے۔ تو اس قدر بات نہ بڑھتی۔ پس اگر اس طریق کو اختیار کیا جائے۔ جو اسلام نے بتایا ہے۔ تو کبھی آپس میں جھگڑا اور فساد نہ ہو۔ اور اگر ہو۔ تو بہت جلدی رک جائے ؛

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا۔ کہ کیا عصبیت میں داخل ہے۔ کہ ہر حالت میں اپنی قوم کی پاسداری کی جائے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ قومی پاسداری یہ ہے کہ اگر کوئی اپنی قوم کے آدمی پر ظلم کرتا ہو۔ تو اس آدمی کی مدد کی جائے۔ یہ نہیں۔ کہ وہ ظالم ہو تو بھی اس کی مدد کی جائے۔ کیونکہ اگر کوئی ایسا کرتا ہے۔ تو وہ ظلم کرنے پر اکساتا ہے۔ اور اس طرح فساد اور فتنہ ڈلواتا ہے۔ اسی طرح حدیث میں آیا ہے۔ کہ تم کو مدد کرنی چاہیئے۔ خواہ کوئی ظالم ہو یا مظلوم۔ پوچھا گیا مظلوم کی مدد یہ ہو گی۔ کہ اسے ظلم سے بچایا جائے۔ لیکن ظالم کی کیا مدد کی جائے۔ آپ نے فرمایا ظالم کو ظلم سے روکنا اس کی مدد ہے ؛

یہ وہ سچی اور حقیقی ہمدردی ہے۔ جس کے ذریعہ صلح اور اتحاد قائم ہو سکتا ہے۔ اگر سارے ہندو اور مسلمان اتفاق کر کے عہد کر لیں۔ کہ جب کوئی ایسا جھگڑا پیدا ہو گا۔ جس میں ثابت ہو جائیگا۔ کہ ہمارے ہم مذہب لوگوں کی زیادتی ہے۔ اور انہوں نے ظلم سے کام لیا ہے۔ تو ہم اس کے خلاف ہونگے۔ اور دوسروں کی ہمدردی کرینگے۔

اگر اس طرح کیا جائے۔ تو بہت جلدی موجودہ نقشہ بدل سکتا ہے۔ اب تو ایسا ہوتا ہے۔ کہ جب فساد ہوتا ہے۔ تو ہندو لیڈر ہندوؤں کی تائید میں کھڑے ہو جاتے۔ اور باتوں سے مسلمانوں کو ٹالنا چاہتے ہیں۔ اور مسلمانوں کی طرف سے زیادتی ہو۔ تو مسلمان لیڈر اپنے ہی لوگوں کی تائید کرتے ہیں۔ اس طرح کیونکر اتفاق اور اتحاد ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر ہندو مسلمان اس بات کو چھوڑ کر اس فریق سے ہمدردی کریں۔ جس پر زیادتی اور ظلم کیا گیا ہو۔ تو آپس کے تعلقات بہت اچھے ہو سکتے ہیں؛

دیکھو اسلام نے کس قدر احتیاط سکھائی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے والذین اٰمنوا ولم یہاجروا مالکم من ولایتھم من شیءٍ حتّی یہاجروا۔ وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علیٰ قوم بینکم وبینہم میثاق واللہ بما تعملون بصیر (۸-۱۷۳) یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے مگر انہوں نے ہجرت نہ کی۔ ان کی مدد کرنا تمہارا فرض نہیں۔ یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں۔ ہاں دین کے بارے میں اگر ان پر کوئی ظلم کریں۔ تو مدد دینی چاہیئے۔ لیکن اگر انکی اس قوم سے لڑائی ہو جس سے تمہارا معاہدہ ہو۔ تو تم کو ان کی مدد نہیں کرنی چاہیئے۔ اب دیکھو ایک قوم مسلمان ہے دین کی جنگ ہے۔ مگر اسلام کہتا ہے۔ کہ تم کو معاہدہ کی پابندی کرنی چاہیئے۔ اور طرفداری کے خیال سے مسلمانوں کی مدد نہیں کرنی چاہیئے۔ اگر یہی رنگ تمام مذاہب والے اختیار کرلیں۔ تو آپ لوگ دیکھ سکتے ہیں۔ کہ کس عمدگی کے ساتھ اتفاق پیدا ہو سکتا ہے؟

پھر اتفاق و اتحاد کا موجب مذہبی رواداری ہوتی ہے۔ مگر ہندو مسلمانوں میں یہ بالکل مفقود ہے۔ ہندوؤں کا دسہرہ ہو۔ تو مسلمان لڑنے جھگڑنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اور مسلمانوں کا محرم ہو۔ تو ہندو فساد پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایسی باتیں ہیں۔ کہ جن پر ایک دوسرے کو معترض ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ دسہرہ کو خواہ مسلمان کیسا ہی سمجھیں۔ لیکن اس پر ناراض ہونے کی ان کے لئے کوئی وجہ نہیں ہے۔ اسی طرح ہندوؤں کے نزدیک محرم کیسا ہی ہو۔ ان کو چڑنے کی کوئی

ضرورت نہیں ہے۔ اپنے اپنے طور پر جو کسی کی مرضی ہے کرے۔ اس میں دخل دینا بالکل فضول ہے۔ کیونکہ دسہرہ کی وجہ سے مسلمانوں کے مذہبی خیالات کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اور محرم کی وجہ سے ہندوؤں کے اعتقادات کو کوئی صدمہ نہیں پہنچتا۔ لیکن جب تک مذہب کے معاملہ میں رواداری نہ پیدا ہو۔ اس وقت تک اس قسم کے فسادات دُور نہیں ہو سکتے۔ مسلمانوں کو اس کا خاص حکم دیا گیا ہے چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ اگر کوئی مسجدوں میں آکر عبادت کرے۔ تو اسے کرنے دو۔ پھر اس کے متعلق آپ کا عمل موجود ہے۔ نجران سے عیسائیوں کا ایک وفد آپ کے پاس آیا۔ اس نے آپ سے مسجد میں باتیں کیں۔ اور جب ان کی عبادت کا وقت آیا۔ تو وہ مسجد میں ہی عبادت کرنے لگے۔ اس پر بعض لوگوں نے ان کو روکنا چاہا لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ روکو نہیں کرنے دو۔ چنانچہ انہوں نے مسجد میں ہی اپنے طریق پر عبادت کی۔ اب کسی دوسرے مذہب کی عبادت گاہ میں جاکر عبادت کرنا تو الگ رہا۔ پاس سے گذرنے پر تو لڑائی جھگڑے نہیں ہونے چاہئیں جو محض ضد اور عداوت کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ اسلام اس سے منع کرتا ہے۔ اور اپنے پیروؤں کو رواداری کی تعلیم دیتا۔ اور دوسروں کے مذہبی جذبات کو دبانے سے روکتا ہے ؎

ان باتوں کے علاوہ آپس میں اتفاق اور اتحاد پیدا کرنے کا ایک طریق ہے اور وہ یہ کہ جس مذہب میں جو خوبیاں پائی جائیں۔ ان کا اعتراف کیا جائے۔ اب تو ایسا زمانہ ہے۔ کہ بجائے اس کے ایک دوسرے پر اعتراض ہی کیئے جاتے ہیں۔ اور یہ بہت بڑا نقص اور عیب ہے۔ اگر عقل و فکر سے کام لیکر دیکھا جائے۔ تو معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ کوئی ایسا مذہب دنیا میں قائم ہی نہیں ہو سکتا جس میں کوئی نہ کوئی خوبی نہ پائی جائے۔ کچھ نہ کچھ خوبیاں ہر مذہب میں ضرور ہوتی ہیں۔ اس میں کیا شبہ ہے۔ کہ حضرت کرشنؑ کی زندگی میں ایسے سبق ملتے ہیں۔ جن سے نیکی اور تقویٰ ظاہر ہوتا ہے۔ پھر

اس میں کیا کلام ہے۔ کہ بدھ۔ عیسٰیؑ کی زندگیاں اعلیٰ درجہ کی پاک اور نیکی کا اعلیٰ نمونہ ظاہر کرتی ہیں۔ پھر اس میں کیا شبہ ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے ایسے واقعات ہیں۔ کہ جن سے روحانیت کا اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ حاصل ہو سکتا ہے۔ جب حقیقت یہ ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ ان پر اعتراض ہی اعتراض کیئے جاتے ہیں۔ اور ان خدا کے برگزیدہ انسانوں کی خوبی کا اعتراف نہیں کیا جاتا۔ ہم لوگ تو حضرت کرشنؑ اور حضرت رامؑ کو خدا کے نبی مانتے ہیں۔ مگر جو لوگ انہیں نبی نہیں مانتے۔ وہ کیا اس بات کا انکار کر سکتے ہیں۔ کہ ان کی زندگی میں اعلیٰ سے اعلیٰ سبق نہیں ملتے۔ ہرگز نہیں۔ پھر کیا وجہ ہے۔ کہ ان کی خوبیوں کا اعتراف نہ کیا جائے۔ آپس میں اتحاد اور اتفاق کے لیئے یہ نہایت ضروری ہے۔ کہ دوسرے مذاہب کے بزرگوں کی خوبیوں کا علی الاعلان اعتراف کیا جائے۔ اور عام لوگوں کے دلوں میں ان کی عزت اور توقیر قائم کی جائے۔ آج کل تو ایسا ہوتا ہے۔ کہ ہر ایک فرقہ کے اخبارات میں دوسرے مذاہب کے بزرگوں کے عیب ہی عیب بیان کیئے جاتے ہیں۔ اور چونکہ اس فرقہ کے لوگ اپنے ہی اخباروں کو پڑھتے ہیں۔ اس لیئے ان کے دل میں نفرت اور حقارت کے ہی جذبات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ایسی صورت میں کس طرح ممکن ہے۔ کہ آپس میں صلح اور اتحاد ہو سکے ؂

اس وقت میں نے صلح اور اتحاد کے لیئے جو باتیں پیش کی ہیں۔ وہ قرآن کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی بتائی ہوئی پیش کی ہیں۔ ان پر اگر سارے لوگ عمل نہ بھی کریں مگر کثرت لوگوں کی عمل پیرا ہو جائے۔ تو صلح ہو سکتی ہے لیکن اس کے متعلق ایک اور سوال باقی رہ جاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ ان باتوں کو عوام میں پھیلایا اور انہیں ان سے آگاہ کس طرح کیا جائے۔ میرے نزدیک اس کی آسان راہ ایک مذہبی طریق سے ہے۔ اور ایک دنیاوی۔ میں نے بتایا ہے۔ کہ ہندو مسلمانوں کے اکثر جھگڑے ایک دوسرے کے بزرگوں کو برا بھلا کہنے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ ایک ایسا شخص جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زانی۔ ڈاکو۔ دوسروں کا مال کھانے والا۔ برے چال چلن والا

لکھتا ہے۔ اور کچھ اس کی بات کو درست مان لیتے ہیں۔ تو کس طرح ممکن ہے۔ کہ مسلمان جو آپ پر جان مال اور ہر ایک پیاری سے پیاری چیز نثار کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ان لوگوں کے ساتھ صلح کر سکیں۔ میں ایک ایسے خاندان سے ہوں۔ جس نے کبھی کسی بات سے ڈر نہیں کیا۔ اور اس بات کا ذکر تاریخ میں مفصل طور پر پایا جاتا ہے۔ میں اپنی ذات کے متعلق کہتا ہوں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت کے لئے اپنی بیوی بچوں۔ حتیٰ کہ اپنی جان کو بھی قربان کردوں تو اس سے بڑھکر میرے لئے اور کوئی عزت نہیں ہو سکتی۔ اور باوجود اسکے کہ میرے خیال میں ملک کی بھلائی کے لئے صلح اور اتحاد کی سخت ضرورت ہے۔ اگر کوئی رسول کریمؐ کی ہتک کرنے والا مجھے کہے۔ کہ صلح کرلو۔ تو میں اسے یہی کہونگا۔ کہ تُو مشرق میں ہے۔ اور میں مغرب میں۔ تجھ میں اور مجھ میں کبھی صلح نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح ایک ہندو جو حضرت کرشنؑ کے متعلق گالیاں سنتا ہے۔ وہ کس طرح گالیاں دینے والے کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھا سکتا ہے۔ بس مذہبی طریق پر صلح اسی طرح ہو سکتی ہے۔ کہ کسی مذہب کے بزرگوں کو گالیاں نہ دی جائیں۔ اور کسی طرح ان کی ہتک نہ کی جائے۔ بلکہ ان کی خوبیوں کا اعتراف کیا جائے۔ اس کے لئے ہندوستان کے بڑے بڑے لوگ ایک کانفرنس قائم کریں۔ اور اس میں ہر ایک مذہب کے لئے اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کیا کریں۔ اگر ایسی کانفرنس تن دہی سے کام کرنے لگ جائے۔ تو میرا خیال نہیں بلکہ یقین ہے۔ کہ گالیاں دینے والے لوگوں کو بہت جلدی بھگا دیگی۔ اور شریر لوگوں کی کوئی شرارت آپس کے اتحاد اور صلح کو توڑ نہیں سکیگی۔ اس کے متعلق پہلے بھی میں نے ایک دفعہ تحریک کی تھی۔ افسوس لوگ لیکچروں اور تقریروں پر تو بڑا زور دیتے ہیں۔ لیکن عملی طور پر کام کرنے کے لئے آگے نہیں بڑھتے۔ حالانکہ ہماری جماعت جو خدا کے فضل سے ہر جگہ پھیلی ہوئی ہے۔ ان کی مدد کرنے کے لئے تیار ہے۔ اگر یہ کام ہمارے اکیلے طور پر چلانے کا ہوتا۔ تو ہم اس وقت تک ضرور اسکے

متعلق کچھ نہ کچھ کرتے۔ لیکن چونکہ یہ سب مذاہب کے لوگوں کے ملکر کرنے کا ہے۔ اس لئے نہیں کیا جاسکا۔ اب بھی اگر دیگر مذاہب کے لوگ آمادہ ہوں۔ تو ہم بڑی خوشی سے اس میں مدد دینے کے لئے تیار ہیں ؁

دوسرا طریق یہ ہے۔ کہ ہر ایک مذہب کے کچھ کچھ لوگ لئے جائیں۔ مثلاً ہر مذہب کے دس دس آدمی۔ اور ان کی ایک کمیٹی بنائی جائے۔ جس کا ذمہ ہو۔ کہ جو تجاویز صلح اور اتحاد کی قرار پائیں۔ وہ ان پر عمل کرنے کی لوگوں کو تحریک کرے۔ اور عوام کو سمجھایا جائے۔ ناواقف لوگوں کو اگر کوئی بات اچھی طرح سمجھا دی جائے۔ تو وہ اس پر عمدگی کے ساتھ عمل کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ تو ہر مذہب کے کچھ کچھ لوگ لئے جائیں۔ جو ملکر کام کریں۔ اس طرح صلح کی تحریک کو ترقی ہو سکتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی میں ایک اور ضروری بات کہنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ بہت لوگ ہندو مسلمانوں کی صلح پر بہت زور دیتے ہیں۔ مگر گورنمنٹ کا خیال نہیں رکھتے۔ کیا ہندو مسلمانوں کی صلح کی ضرورت ہے۔ اور گورنمنٹ کے ساتھ صلح کرنے کی ضرورت نہیں۔ میرے نزدیک تو ہندو مسلمانوں کی وہی صلح قائم رہ سکتی ہے۔ جس میں گورنمنٹ سے بھی تعلق اور واسطہ ہو۔ اس لئے ضروری ہے۔ کہ جہاں جہاں ہندو مسلمانوں میں فساد ہو۔ وہاں اس کمیٹی کے ممبر گورنمنٹ کے آفیسروں کے ساتھ ملکر اصل معاملہ کی تحقیقات کریں۔ اور پھر اس تحقیقات کو شائع کریں۔ اور بتائیں۔ کہ اس فساد کی ذمہ واری کن لوگوں پر عائد ہوتی ہے۔ جو ذمہ وار قرار دیئے جائیں۔ ان کے متعلق سب کا فرض ہونا چاہیئے۔ کہ ان سے عملی اور زبانی طور پر اظہار نفرت کریں ؛

اس کمیٹی کے متعلق دوسری باتوں پر اسوقت غور ہو سکتا ہے۔ جبکہ عملی طور پر اس کی کارروائی شروع ہو جائے۔ ان دنوں میرے متعلق ڈاکٹروں کا مشورہ ہے۔ کہ میں کوئی تقریر نہ کروں۔ لیکن میں نے انہیں کہدیا تھا۔ کہ قومی معاملات میں افسوس میں آپ لوگوں کے مشورہ پر عمل نہیں کر سکتا۔ تو چونکہ میرے دل

میں ان جھگڑوں اور فسادوں کی وجہ سے ایک درد پیدا ہوتا ہے۔ جو ہندو مسلمانوں میں ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے مَیں چاہتا ہوں۔ کہ آپس میں صلح اور اتحاد سے رہنے کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ اس کے لئے یہی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ مختلف مذاہب کے چیدہ چیدہ لوگوں کی ایک کونسل ہو۔ جو لڑائی جھگڑے کی تحقیقات کر کے فیصلہ کرا دیا کرے۔ اور عوام میں بے رو رعایت فیصلوں کے ذریعہ اپنا اعتبار جمائے۔ اور گورنمنٹ کے آفیسروں کے ساتھ مِلکر کام کرے۔ یہ ہے وہ طریق جس سے صلح میں کامیابی کی امید ہو سکتی ہے۔ اگر ایسا ہو جائے۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں ہے۔ کہ ہندوستان کا شاندار مستقبل نظر نہ آجائے۔ پس جو لوگ یہاں تشریف لائے ہیں۔ وہ ان باتوں پر غور کریں۔ اور پھر ہمیں اطلاع دیں۔ مَیں امید کرتا ہوں کہ آپ لوگ ان تجاویز پر ہمدردانہ طور سے غور کرینگے۔ اور اپنے اثر اور رسوخ سے کام لیکر اس نااتفاقی اور آئے دن کے فسادوں کو دُور کرنے کی کوشش کرینگے۔ جن کی وجہ سے آپس میں بے اعتباری اور عداوت پھیلی ہوئی ہے ؛

گوشت خوری پر ایک مختصر نوٹ

(از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے)

خوراک کے لحاظ سے دنیا میں دو بڑے گروہ پائے جاتے ہیں۔ ایک وہ جو گوشت کھانے کو ایک ظالمانہ کام سمجھتے ہیں اور صرف سبزیوں وغیرہ پر گذارہ کرنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ دوسرے وہ جو باستثنا چند جانوروں کے جن کا گوشت طبی لحاظ سے انسان کے جسم اور روح کے لئے مضر ہے باقی تمام جانوروں کا گوشت استعمال کرنے کو ایسا ہی جائز قرار دیتے ہیں جیسا سبزیوں کا استعمال۔ اوّل الذکر جماعت

میں زیادہ تر ہندو اور بدھ مذہب کے لوگ ہیں لیکن ان خیالات کا اثر حال میں یورپین ممالک میں بھی پھیلتا نظر آتا ہے کیونکہ ہم کو ہمارے ان مبلّغوں سے اطلاع ملی ہے جو یورپ میں کام کرتے ہیں کہ وہاں کے بعض تعلیم یافتہ لوگ اس خیال کی طرف مائل نظر آتے ہیں کہ گوشت خوری ایک ظالمانہ کام ہے جس سے ہر شریف آدمی کو پرہیز لازم ہے۔ ہم کو اس بات سے تعلّق نہیں کہ یہ لوگ کس مذہب و ملّت کے ہیں۔ اور یہ کہ آیا یہ لوگ مذہباً اپنے آپ کو کسی ایسے مذہب کی طرف تو منسوب نہیں کرتے کہ جو گوشت خوری کو جائز اور حلال قرار دیتا ہے اور جس کے بانی اور بزرگ ہمیشہ قولاً اور فعلاً گوشت خوری کی تعلیم دیتے رہے ہیں۔ کیونکہ ہمارا کام غلط عقائد اور غلط خیالات کی اصلاح ہے۔ پس خواہ ایسے لوگ مذہباً کسی ہی جماعت سے تعلّق رکھتے ہوں ہم ان کی طرف توجہ کرینگے۔ غرض گوشت خوری پر ایک مبسوط مضمون لکھے جانے کی ضرورت ہے جس میں اس کی حکمت اور اس کے فوائد پر مفصل علمی بحث ہو۔ اور جس میں تاریخی واقعات کی مدد سے یہ ثابت کیا جاوے کہ انسانی بقا اور ترقی کے لئے گوشت خوری بھی ایک حد تک ضروری اور لابدی ہے۔ مگر ہم شروع میں ہی یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ ہمارا یہ موجودہ مضمون اس ضرورت کو پورا کرنے والا نہیں ہوگا بلکہ اس کے لئے ہم کسی اور مناسب وقت پر لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ موجودہ مضمون میں ہم گوشت خوری کے متعلّق جو اسلامی تعلیم ہے صرف اس کو پیش کرنا چاہتے ہیں اور مختصر الفاظ میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس کے اندر کونسی حکمت مدّ نظر رکھی گئی ہے۔ مگر اصل مضمون شروع کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصولی طور پر اسلامی احکام پر ایک سرسری نظر ڈالی جاوے اور دیکھا جاوے کہ اسلامی شریعت کی بنیاد کس اصول پر ہے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جعلناکم امۃ وسطا۔ یعنی اے مسلمانو! تم وسطی اُمّت بنائے گئے ہو۔ یعنی تم افراط اور تفریط کی راہوں سے الگ کرکے وسطی طریقوں پر

چلائے گئے ہو۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کے تمام احکام میں یہی اصول چلتا ہے۔ اور در حقیقت اگر عقلاً بھی دیکھا جاوے۔ تو یہ ایک نہایت زرّین اصول ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر امر میں دو انتہائی نقطے ہوتے ہیں۔ اور ایک وسطی مقام ہوتا ہے اور وہ انتہائی نقطے گو بعض حالات میں مفید ثابت ہوں لیکن بعض میں سخت نقصان دہ اور ضرر رساں نکلتے ہیں۔ مثلاً مجرم کی پاداش کے متعلق ایک یہود کا اصول ہے جو تورات سے ماخوذ ہے کہ ہر صورت میں جرم کی سزا ضروری ہے۔ اور کسی صورت میں بھی عفو جائز نہیں اور دوسرے مسیحیوں کا اصول ہے کہ بدی کا مقابلہ مطلقاً نہ کرنا چاہیئے بلکہ ہر حالت میں عفو اور درگذر سے کام لینا چاہیئے۔ اب یہ دو انتہائی نقطے ہیں جو ان مذاہب نے اختیار کیئے۔ حالانکہ دنیا میں ہمارا تجربہ اور عقل ان دونو کو باطل قرار دیتا ہے۔ کیونکہ نہ تو ہر حالت میں سزا دینے کا اصول قاعدہ کلیہ کے طور پر مفید کہلا سکتا ہے اور نہ ہی عفو اور درگذر کا اصول ہر حالت میں مفید صورت میں چلایا جا سکتا ہے۔ بلکہ ان کے درمیان ایک مقام ہے جو اصل قاعدہ بننے کے قابل ہے اور اسی کو اسلام نے اختیار کیا ہے چنانچہ فرمایا: جزاؤ سیئة سیئة مثلها فمن عفا و اصلح فاجره علی اللہ۔ یعنی تمام جرائم کی سزا ہے۔ لیکن اگر عفو سے اصلاح کی امید ہو تو عفو کو اختیار کرنا چاہیئے۔ اب یہ ایک ایسا اصول ہے کہ جو وسطی ہے اور یہی قاعدہ بننے کے قابل ہے۔ غرض اسلام نے تمام امور میں افراط اور تفریط کی راہوں سے ہم کو بچا کو وسطی طریق پر چلایا ہے۔ اس جگہ یہ بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات وسطی طریق بظاہر قابل اعتراض معلوم ہوتا ہے اور انتہائی مقاموں میں سے کوئی ایک مقام درست اور صحیح نظر آتا ہے۔ جیسا کہ اوپر کی مثال سے ظاہر ہے کہ مسیحیوں کا یہ اصول کہ کسی صورت میں بھی بدی کا مقابلہ نہ کیا جاوے بظاہر بہت خوشگوار نظر آتا ہے۔ مگر ذرا غور سے دیکھو اور اس کے نتائج پر نظر ڈالو اور تجربہ کی روشنی میں اس کا

امتحان کرو تو فوراً اس کا بودہ پن نظر آنے لگتا ہے۔ اس لئے ہم کو اپنی ظاہری نظر پر اعتماد نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ ان اصول کو استعمال میں لانا چاہیئے۔ جو کسی چیز کی خوبی اور سقم کا پتہ لگانے کے لئے بطور معیار کے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ اوّل **عقل** دوئم **مشاہدہ** ۔ سوئم **تجربہ** ۔ یہ تین ایسے چراغ ہیں کہ ان کی روشنی کے نیچے کوئی اندھیرا قائم نہیں رہ سکتا اور ہر چیز کا حسن و قبح روز روشن کی طرح نظر آنے لگتا ہے۔ مجرد عقل بسا اوقات دھوکا دیتی ہے۔ مگر جب اس کے ساتھ مشاہدہ کی مدد اور تجربہ کی شہادت مل جاتی ہے تو پھر یہ ایک قابل اعتبار چیز ہو جاتی ہے ؛

خلاصہ کلام یہ کہ اسلام ہمیشہ وسطی مقام کو اختیار کرتا ہے۔ اور انتہائی طریقوں سے الگ رہنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اور اگر کسی موقع پر وسطی مقام اور انتہائی نقطوں کے درمیان شک و شبہ پیدا ہو جاوے اور بظاہر ہم کو وسطی مقام قابل اعتراض نظر آئے اور انتہائی طریقوں میں سے کوئی طریق زیادہ درست اور پسندیدہ معلوم ہو تو پھر اس کو **عقل** ۔ **مشاہدہ** اور **تجربہ** کی متحدہ شمع کے سامنے پیش کرنا چاہیئے جہاں اس کا تمام حُسن و قبح عیاں ہو جائیگا۔ اور کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہیگی ؛

اس مختصر سی تمہید کے بعد ہم گوشت خوری کے متعلق اسلام کی تعلیم کو پیش کرتے ہیں اور پھر اس پر ان اصول کے ماتحت نظر ڈالینگے جو ہم نے حق کی شناخت کے لئے اوپر بیان کیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

کلوا واشربوا ولا تسرفوا

یعنی اے مسلمانو! جو چیزیں ہم نے تمہارے لئے حلال کی ہیں وہ سب کھاؤ پیو۔ لیکن ان میں سے کسی ایک قسم پر خاص زور نہ دو یعنی ایسا نہ کرو کہ صرف گوشت ہی کھاتے رہو یا یہ کہ صرف سبزیاں ہی کھاؤ اور گوشت قطعاً ترک کردو بلکہ حالات کے مطابق خوراک کھاؤ۔

یہ وہ تعلیم ہے جو کھانے پینے کے بارہ میں ہم کو اسلام سکھاتا ہے جس کا

مطلب یہ ہے کہ کھانے کے معاملہ میں کسی چیز کے استعمال میں اسراف نہ ہونا چاہیئے۔ یعنی اگر کسی جگہ کے حالات اور آب وہوا وغیرہ اس بات کے مقتضی ہیں کہ گوشت اور سبزی ایک مقدار میں کھائی جاوے (جیسا کہ منطقہ معتدلہ میں) تو اسی طرح کھاؤ اور اگر کسی جگہ کی آب وہوا اور حالات یہ چاہتے ہیں کہ سبزی پر زیادہ زور ہو اور گوشت کم استعمال ہو تو پھر ایسا ہی کرنا چاہیئے جیسا کہ منطقہ حارہ میں اور اگر کسی آب وہوا میں گوشت پر زیادہ زور دینا مناسب ہو تو وہاں یہی کرنا چاہیئے جیسا کہ منطقہ منجمدہ۔ اور اس کے قریب کے علاقہ جات میں۔ غرض جو بھی کسی جگہ وہاں کے حالات کے ماتحت اسراف کی تعریف اور اسکی حد ہو اس سے بچنا چاہیئے اور وسطی طریق کو اختیار کرنا چاہیئے۔ یہ تو ملکی لحاظ سے تقسیم ہے اسی طرح بعض افراد کی طبائع میں بھی بعض ذاتی خصوصیات ہوتی ہیں یعنی کسی طبیعت کے لئے سبزی کی کثرت کی ضرورت ہوگی تو کسی کے لئے گوشت کی اور پھر کوئی ایسی بھی طبیعت ہوگی جس کے لئے دو نو کا ایک جیسا استعمال مفید ہوگا۔ اور ان طبائع کے مطابق ہر ایک کے لئے الگ الگ اسراف کی حد ہوگی جس کے مطابق ہر ایک کو عمل کرنا چاہیئے۔

اب جبکہ ہم کو اس معاملہ میں اسلامی تعلیم کا علم ہوگیا اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہ ایک وسطی تعلیم ہے۔ جو افراط اور تفریط سے الگ ہے۔ یعنی نہ تو ہم کو خواہ نخواہ گوشت خوری پر زور دینے کو کہا گیا ہے اور نہ ہی گوشت خوری سے بالکل علیحدگی کا حکم دیا گیا ہے بلکہ حالات کے مطابق بین بین کی مناسب راہ اختیار کرنے کو کہا گیا ہے۔ اور یہی وسطی تعلیم کا مدعا ہے۔ اب ہم نے دیکھنا یہ ہے کہ آیا یہ وسطی تعلیم درست اور پسندیدہ اور بنی نوع انسان کے لئے مفید ہے یا اس معاملہ میں انتہائی نقطوں میں سے کوئی مقام قابل ترجیح ہے؟ گویا اس لحاظ سے تین گروہ ہوگئے۔ اوّل وہ لوگ جو گوشت کھانا ناجائز قرار دیتے اور ایک ظالمانہ

کارروائی خیال کرتے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ جو گوشت خوری پر اسقدر زور دیتے ہیں کہ گویا سبزیوں کے استعمال سے کنارہ کش ہوگئے ہیں۔ تیسرے وہ لوگ جو گوشت اور سبزیوں ہر دو کا استعمال ضروری جانتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کی نامناسب کثرت کو ناپسند کرتے۔ اوّل الذکر ہر دو گروہ انتہا پسند لوگ ہیں اور موخر الذکر گروہ وسطی امت ہے۔ ان تینوں جماعتوں میں سے کونسی جماعت حق پر ہے اور ان تینوں طریقوں میں سے کون ساطریقہ بنی نوع انسان کے لئے مفید ہے؟ یہ وہ سوال ہے جس پر اب ہم نے غور کرنا ہے اور تینوں کو **عقل۔ مشاہدہ اور تجربہ** کی روشنی کے سامنے رکھکر دیکھنا ہے۔ مگر اس سے پیشتر ذیل کے حقائق کو ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔

(۱) (الف) انسان اشرف المخلوقات ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی اس مخلوقات میں سے جو عرف عام میں جاندار کے نام سے موسوم ہوتی ہیں انسان کا درجہ سب سے اعلیٰ ہے۔

(ب) اگر کوئی جائز ضرورت پیش آوے تو ادنیٰ کو اعلیٰ پر قربان کر دینا چاہیئے۔ جیسا کہ قانون قدرت میں ہمارا مشاہدہ ہے۔

(ج) اخلاقی زندگی جسمانی زندگی سے افضل ہے۔

(د) اقوام کی زندگی کا رتبہ افراد کی زندگی سے بالاتر ہے۔

(۲) علاوہ جسمانی اثر کے خوراک کا ایک نہایت گہرا اثر انسان کے اخلاق پر بھی پڑتا ہے۔ یہ صرف دعویٰ ہی نہیں بلکہ اس کی تائید میں نہایت مضبوط طبی اور تاریخی شہادات موجود ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور سائنس نے اس علم کو اس حد تک یقینی کر دیا ہے کہ اب کوئی بیوقوف ہی ہوگا کہ جو اس کا انکار کر سکے۔ ہر قسم کی خوراک الگ الگ اپنا اثر دکھاتی ہے جو انسان کے جسم اور اخلاق دونو میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ اثر گو بعض خاص افراد میں بعض خصوصیات کی وجہ سے زیادہ نمایاں طور پر ظاہر نہ ہو۔ لیکن اقوام کے اخلاق میں ان کا

ظہور پذیر ہونا بالکل یقینی اور قطعی ہوتا ہے کیونکہ کسی قوم کے اخلاق سے اس قوم کے اکثر افراد کے اخلاق مراد ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی خاص قسم کی خوراک انسان کے رنگ میں زردی پیدا کرنیوالی ہے تو اس خوراک کے استعمال کرنے والی قوم کے اکثر افراد میں یہ صفت ظاہر ہو کر اس قوم کی قومی خصوصیت بن جائیگی یا مثلاً اگر کسی خوراک میں انسان کے اندر عجلت اور بے صبری پیدا کرنے والی خصوصیت ہے تو اس خوراک کے استعمال کرنے والی قوم میں یہ صفات بطور قومی خلق کے ہو جائینگی خواہ بعض افراد ان کمزوریوں سے آزاد ہوں۔ خلاصہ کلام یہ کہ خوراک انسان کے جسم اور اخلاق پر گہرا اثر کرتی ہے لیکن چونکہ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ یہ اثر ہر فرد میں نمایاں طور پر ظاہر ہو کیونکہ بعض افراد میں بعض ذاتی خصوصیات ہوتی ہیں یا انکے اندر اس اثر کا مقابلہ کرنے والی باتیں فطرتاً موجود ہوتی ہیں اس لئے ہم ہر فرد کے متعلق تو نہیں مگر اکثر افراد کے متعلق یقینی طور پر فتویٰ لگا سکتے ہیں کہ وہ اس کے اثر کے نیچے آئینگے اور چونکہ کسی قوم کے اکثر افراد میں جو بات پائی جاتی ہے وہی اس قوم کا قومی خلق کہلاتا ہے اس لئے ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے کہ خوراک کا اثر قومی خلق میں نمایاں طور پر ظاہر ہوتا ہے ؛

اب ہم اصل بحث کو لیتے ہیں۔ طبی لحاظ سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچی ہوئی ہے کہ گوشت خوری کا اثر انسان میں شجاعت بہادری جوش و خروش اور سختی اور اسی قسم کی دوسری صفات کے رنگ میں ظاہر ہوتا ہے اور سبزیوں کا اثر نرمی حلم اور صبر و برداشت اور اسی قسم کے دوسرے صفات کے رنگ میں ظہور پذیر ہوتا ہے یہ ایک طبی تحقیق ہے اور صرف ایک تھیوری کے طور پر نہیں بلکہ مشاہدہ اور تجربہ کے معیار سے روز روشن کی طرح ظاہر ہو چکی ہے۔ حیوانات میں دیکھ لو گوشت خور اور سبزی خور حیوانات علی الترتیب انہی صفات سے متصف نظر آئیں گے۔ اس جگہ تفصیلات کی گنجائش نہیں ورنہ حیوانات میں اس رنگ کی تحقیقات کرنا اور ہر ایک

قسم کے حیوانات کو اپنی نظر کے سامنے رکھکر اس کی خوراک کے لحاظ سے اس کی صفات کا معائنہ کرنا ایک نہایت دلچسپ مضمون ہے اور اہل علم نے اس کے متعلق بڑی تحقیقاتیں کی ہیں اور نہایت مفید معلومات اور تجارب کا ذخیرہ پیدا کیا ہے۔ جانوروں سے ہٹ کر انسان پر نظر ڈالیں تو یہاں بھی یہ فرق نمایاں طور پر نظر آتا ہے یعنی اگر گوشت خوری پر ناجائز اور نامناسب زور دینے والی اقوام میں بہادری جرأت جوش اور سخت دلی کی صفات نظر آتی ہیں تو صرف سبزی کھانے والی اقوام میں یہ صفات قومی اخلاق کے طور پر مفقود ہیں اور ان کی جگہ نرمی حلم برداشت اور تحمل کی صفات پائی جاتی ہیں۔ جن لوگوں نے تاریخ پر اس لحاظ سے نظر ڈالی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ امتیاز کسی خاص اقوام تک محدود نہیں بلکہ جہاں جہاں بھی خوراک کا امتیاز موجود ہے وہاں ساتھ ساتھ قومی اخلاق میں بھی خوراک کے مناسب حال امتیازات موجود ہیں۔ ہم اس ضمن میں کسی خاص قوم کا نام لینا پسند نہیں کرتے۔ اور نہ اسجگہ ان تفصیلات کی گنجائش ہے۔ مگر ہر شخص جو اپنے طور پر تحقیقات کریگا وہ یقیناً یقیناً اسی نتیجہ پر پہنچیگا جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے یعنی گوشت خوری پر نا روا زور دینے والی اقوام بلند ہمت دلیر بہادر مگر جوشیلی اور سخت دل نظر آئینگی اور سبزیوں کا نامناسب طور پر زیادہ استعمال کرنے والی اور گوشت سے بالکل الگ رہنے والی اقوام نرم حلیم صابر مگر بزدل اور کم ہمت نکلیں گی۔ ہاں اس تحقیقات کے لئے اس بات کو مدِنظر رکھنا ضروری ہے جو ہم نے اپنے شروع مضمون میں ہی بیان کردی تھی یعنی گوشت اور سبزی کے استعمال کی حد ملک کی آب و ہوا اور استعمال کنندگان کے حالات کے مطابق ہوگی مثلاً انگلستان میں گوشت کے استعمال کی جو مناسب حد ہے جس سے اوپر اس ملک میں اسراف ہوگا وہ اس حد سے بڑھکر ہے جو مثلاً افریقہ کے وسط میں ہے۔ اگر افریقہ کا رہنے والا اسی قدر گوشت کھاتا ہے جو ایک انگریز اپنے ملک میں کھاتا ہے تو وہ اس بارہ میں اسراف کرتا ہے

اور اس کے اندر گوشت کے ناروا استعمال سے جو اخلاقی کمزوریاں پیدا ہو جاتی ہیں ضرور ظاہر ہونگی اور اگر ایک انگلستان کا باشندہ اتنی سبزی کھاتا ہے جو ایک وسط افریقہ کے باشندے کو مناسب ہے اور گوشت سے پرہیز کرتا ہے تو وہ ان خوبیوں کو کھو بیٹھیگا جو گوشت کے جائز استعمال سے پیدا ہوتی ہیں اور ان کمزوریوں کو اپنے اندر پیدا کر لیگا جو سبزی کے ناواجب استعمال کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ غرض ہر آب ہوا کے لئے الگ اسراف ہے۔ اسی طرح بعض طبائع بھی اپنی الگ خصوصیات رکھتی ہیں۔ اس لئے اس معاملہ میں تحقیقات کرنے والوں کو لازم ہے کہ تحقیقات کے وقت ان باتوں کو نظر انداز نہ کردیں کیونکہ اگر وہ ایسا کرینگے تو ان کی تحقیقات کے نتائج یقیناً غلط ہونگے۔ ہاں ان باتوں کی جائز مراعات رکھتے ہوئے جو تحقیقات کی جائیگی وہ یقیناً اسی نتیجہ پر پہنچائے گی جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے یعنی گوشت خور اقوام بشرطیکہ وہ گوشت کا ناروا استعمال کرتی ہوں بہادر اور جری تو ہونگی مگر ساتھ ہی بیہودہ جوش و خروش ظاہر کرنے والی اور سخت دل بھی ہونگی۔ اور سبزیوں پر نامناسب زور دینے والی اقوام یعنی وہ اقوام جو باوجود ضرورت کے گوشت سے پرہیز کرتی ہیں حلیم اور نرم دل تو بے شک ہونگی مگر ساتھ ہی کم ہمت اور بزدل بھی ہوں گی۔ یہ ایک نہایت دلچسپ مضمون ہے اور تاریخ پڑھنے والوں سے ہم بڑے زور کے ساتھ تحریک کرتے ہیں کہ وہ تاریخ کے مطالعہ کے وقت ان امور کو ضرور مدنظر رکھیں اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ ان کی یہ محنت رائیگاں نہ جاویگی بلکہ وہ نہایت دلچسپ مفید اور علمی معلومات کا ذخیرہ جمع کر سکیں گے۔ ہاں اس بات کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ صرف خوراک ہی نہیں جو انسان کے اخلاق پر اثر رکھتی ہیں بلکہ اخلاق پر اثر ڈالنے والی چیزیں اور بھی ہیں اور ان کو نظر انداز کرنا غلط نتائج پیدا کریگا ÷

تاریخ سے پتہ لگتا ہے کہ گوشت خور اقوام کا جب کبھی صرف سبزی کھانے والی اقوام سے مقابلہ پڑا ہے تو گوشت کھانے والوں کا پلّہ بھاری رہا ہے اور وہ

ہمیشہ غالب آتے ہیں سوائے اس کے کہ کوئی اور وجوہات پیدا ہو گئی ہوں جنہوں نے اس اثر کو وقتی طور پر دبا دیا ہو — ہاں جہاں مستقل مزاجی اور محنت اور توجہ کے ساتھ کسی کام پر لگے رہنے کا مقابلہ ہو تو وہاں گوشت پر زیادہ زور دینے والی اقوام ہمیشہ پیچھے نظر آئینگی اور سبزی کا استعمال کرنے والی اقوام نمایاں حیثیت حاصل کرلینگی۔ یہ باتیں صرف دعویٰ کے طور پر نہیں ہیں بلکہ انکی مدد میں تاریخی شہادتیں اور زمانہ حال کی علمی اور طبّی تحقیقاتیں موجود ہیں مگر اس جگہ ان تفصیلات کی گنجائش نہیں ٭

اب جب یہ ظاہر ہو گیا کہ (۱) گوشت کا استعمال جہاں بعض اخلاقی خوبیوں کا پیدا کرنے والا ہوتا ہے وہاں اس کا ناروا استعمال بعض اخلاقی کمزوریوں کو بھی پیدا کرتا ہے اور اسی طرح سبزیوں کا استعمال جہاں بعض اخلاقی خوبیاں پیدا کرتا ہے وہاں گوشت کو بالکل ترک کر کے سبزیوں پر ناواجب زور دینا بعض اخلاقی کمزوریاں بھی پیدا کرنے والا ہوتا ہے (۲) خوراک کا یہ اثر گو بعض افراد میں بعض وجوہات سے نمایاں طور پر ظاہر نہ ہو لیکن قومی خلق کے طور پر اس کا ظہور پذیر ہونا یقینی اور قطعی ہوتا ہے اور گو ہر فرد بشر کے اخلاق پوری طرح خوراک کے زیر اثر نہ ہوں لیکن ہر قوم کے اخلاق پوری طرح خوراک کے زیر اثر ہوتے ہیں۔ ان دو نتائج کے اخذ کرنے کے بعد جو اوپر کے بیان سے واضح طور پر پیدا ہوتے ہیں ہم اصل مضمون کو لیتے ہیں ٭

گوشت خوری کیا ہے؟ ہم اس کا جواب سبزی کھانے والوں کی طرف سے دیتے ہیں گوشت خوری کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی جاندار مخلوق کو صرف اس غرض سے ہلاک کر دیا جاوے کہ اس کا گوشت انسان کے پیٹ میں جاوے۔ کیا یہ یہ ظلم نہیں؟ ہمارا جواب۔ نہیں یہ ظلم نہیں بدیں وجوہ:-

گوشت خوری کے یہ معنی ہیں کہ ایک جاندار کی زندگی کا خاتمہ کیا جاوے

بہت درست! گویا ہم اللہ کی اس مخلوق میں سے جو بمقابلہ انسان کے بہت کم درجہ
کی ہے ایک فرد کی جسمانی زندگی کا خاتمہ کرتے ہیں۔ اس میں تین باتیں یاد رکھنے
کے قابل ہیں۔ (۱) انسان کے مقابلہ میں بہت کم درجہ کی مخلوق کی زندگی۔
(۲) ایک فرد کی زندگی (۳) اس فرد کی جسمانی زندگی۔ یہ تین چیزیں ہم لیتے
ہیں اور بے شک اگر بغیر جائز اور معقول وجہ کے ہم لیں تو ہماری سخت غلطی ہوگی
اور ہمارا یہ فعل ایک ناقابل معافی جُرم ہوگا اور اسی لئے اسلام جانوروں کی جان
لینا تو درکنار ان کو بیجا طور پر مشقّت اور تکلیف میں ڈالنے سے بھی نہایت سختی
کے ساتھ روکتا ہے مگر گوشت خوری کا معاملہ ایک اور قسم کا معاملہ ہے۔ اس
میں ہم بے شک اللہ کی مخلوقات میں سے ایک فرد کی جسمانی زندگی لیتے ہیں۔
مگر یہ بھی تو دیکھنا چاہیئے کہ کس ضرورت کے لئے لیتے ہیں اور کس کے لئے لیتے
ہیں؟ ظاہر ہے کہ (۱) اشرف المخلوقات کی (۲) اجتماعی (۳) اخلاقی زندگی
کے بقا کے لئے لیتے ہیں پس کون عقلمند ہے جو اس قربانی پر اعتراض کرے۔
غور کرو۔ ایک طرف اشرف المخلوقات کی زندگی ہے دوسری طرف اس سے
بہت کم درجہ کی مخلوق کی زندگی۔ پھر ایک طرف انسان کی قومی اور اجتماعی زندگی
ہے اور دوسری طرف حیوانات میں سے کسی فرد کی زندگی۔ پھر ایک طرف
انسان کی اجتماعی اخلاقی زندگی ہے اور دوسری طرف حیوانات میں سے کسی
فرد کی جسمانی زندگی۔ میں تو کہتا ہوں کہ اگر انسانوں میں سے کسی فرد کی جسمانی زندگی
کے بقا کے لئے بھی حیوانات کی اجتماعی جسمانی زندگی کی قربانی درکار ہو تو کوئی
عقلمند اس قربانی سے نہیں رکیگا اور ہم عملاً دنیا میں دیکھتے ہیں کہ کوئی نہیں رکتا۔
کیا اگر کسی سبزی خور کے بدن پر ایک زخم ہو تو وہ اس میں ایسی دوا نہیں ڈلوائیگا
کہ جو کیڑوں کو مارنے والی ہو۔ ظاہر ہے کہ وہ ایسا کریگا اور ضرور کریگا اور ہرگز اس بات
کی پروا نہیں کریگا کہ اتنے جاندار کیڑوں کی زندگی اس کے آرام کے لئے جاتی

ہے کیونکہ وہ اشرف المخلوقات ہے اور باقی مخلوقات اس کے فائدہ کے لئے ہیں
پس اگر کسی وقت اس کے فائدہ کے لئے کسی اور مخلوق کی زندگی کی اسے
ضرورت ہوگی تو وہ اس کے لینے میں دریغ نہ کریگا۔ دیکھو مثلاً پانی میں بے شمار
باریک کیڑے ہوتے ہیں لیکن چونکہ پانی انسان کی جسمانی زندگی کے لئے ضروری
ہے اس لئے کوئی شخص پانی کے استعمال سے اس وجہ سے نہیں رُکتا کہ اس کے
استعمال سے بے گناہ کیڑوں کی جان جاتی ہے پس جب انسان کی جسمانی زندگی
کے بقا کے لئے حیوانات کی قربانی کی جاتی ہے اور کوئی شخص اسپر معترض نہیں
حتیٰ کہ سخت ترین سبزی خور بھی روزانہ اپنے ہاتھوں سے یہ قربانی کرتے ہیں تو
انسان کی اجتماعی اخلاقی زندگی کے بقا کے لئے اگر کسی حیوان کی جسمانی زندگی
کی قربانی کی ضرورت ہو تو اس سے رُکنا ایک ابلہانہ بات ہے۔ یہ رحم ایک جھوٹا
رحم ہے اور اسی قسم کا رحم ہے کہ کوئی شخص اپنے زخم کے کیڑوں کو اسواسطے نہ
ہلاک کرے کہ ان کی جان جاتی ہے اور اس طرح اپنے آپ کو ہلاک کردے۔ اس
رحم کے یہ معنی ہیں کہ دو چیزوں کو رحم کی ضرورت ہے ایک انسان کو اور ایک
حیوان کو۔ اور دونوں میں سے صرف ایک پر رحم ہو سکتا ہے بلکہ ایک پر رحم کرنے
کا یہ نتیجہ ہے کہ دوسرے کو ہلاک کیا جاوے یعنی اگر حیوان پر رحم ہو تو انسان کی
جاتی ہے اور اگر انسان پر رحم ہو تو حیوان کی جان لینی پڑتی ہے۔ اب بتاؤ
ان میں سے کس کو اختیار کرو گے؟ کیا انسان کو ہلاک ہونے دو گے صرف
اس لئے کہ کسی حیوان کی جان بچ جاوے۔ اگر ایسا کرو گے تو تم قانون قدرت
و قانون فطرت کے خلاف چلو گے اور اس صورت میں تم رحیم نہیں ہو گے بلکہ
ظالم کہلاؤ گے۔ انسان کی اجتماعی اخلاقی زندگی کے لئے جیسا کہ سبزی ضروری
ہے ویسا ہی گوشت کا مناسب استعمال بھی ضروری ہے پس کیا انسان کی
اجتماعی اخلاقی زندگی پر موت وارد کرو گے اس لئے کہ کسی حیوان کی جسمانی زندگی

کو نقصان نہ پہنچے۔ دیکھو خوراک کا اثر انسان کے اخلاق پر یقینی اور قطعی ہے۔
یہ ممکن ہے کہ کسی خاص فرد میں یہ ظاہر نہ ہو یہ بھی ممکن ہے کہ کسی قوم میں یہ فوراً ظہور
پذیر نہ ہو مگر آہستہ آہستہ یہ اپنا اثر پیدا کرتا ہے اور بالآخر یقیناً یقیناً قومی خلق میں
اپنا رنگ ظاہر کرتا ہے طبی تحقیقات اور تاریخی شہادت اس کے مؤید ہیں
اور کوئی عقلمند نہیں جو اس سے انکار کر سکے۔ ایک ظاہر بین شخص جس کی
نظر عام طور پر صرف محسوسات تک محدود ہوتی ہے ان باتوں کو نہیں دیکھ
سکتا مگر یہ ہر وقت اپنا کام کر رہی ہوتی ہیں اور اسی قسم کے اثرات بالآخر
اقوام کی کایا پلٹ دیتے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ کوئی قوم جری ہے تو کوئی بزدل
کوئی جوش اور امنگ والی ہے تو کوئی ڈھیلی اور مدھم پھر کوئی صبر اور
برداشت والی ہے تو کوئی جلد باز اور غیر مستقل مزاج۔ پھر کوئی سخت گیر اور سخت
دل ہے تو کوئی حلیم اور نرم دل ہے۔ غرض کوئی کسی طرف جھکی ہوئی ہے
تو کوئی کسی طرف۔ کیا خالق ہستی نے ان کو اس رنگ پر چلایا ہے؟ نہیں بلکہ
خدا کی طرف سے تو سب کو اعلیٰ اور معتدل اخلاق کی طاقتیں ودیعت کی
گئی ہیں اور یہ صرف بیرونی تاثیرات ہیں کہ جو کسی کو ایک طرف جھکا دیتی ہیں
تو کسی کو دوسری طرف۔ پس ان پر غور کرنا اور ان کی حقیقت کو سمجھنا ہمارا
فرض ہے اور ہم کو لازم ہے کہ ایسے طریق اختیار کریں کہ ہمارے فطری
قویٰ اور فطری طاقتیں تمام کی تمام معتدل راستہ پر نشوونما پائیں اور کوئی
قوت نامناسب طور پر حد اعتدال سے گذر کر دوسروں کو اپنے نیچے نہ دبا لے۔
اگر ہم اس معاملہ میں غفلت کرینگے تو اس کا لازمی نتیجہ ہماری اجتماعی اخلاقی
موت ہوگی۔ ان طرق میں سے ہماری خوراک کا درست ہونا بھی ایک نہایت
زبردست طریق ہے۔ پس چاہیئے کہ شراب استعمال کرنے والی اقوام غور کریں
کہ اس کا استعمال ان کے اجتماعی اخلاق پر بالآخر کیا اثرات پیدا کرے گا

اور کر رہا ہے۔ سؤر کھانے والی اقوام سوچیں کہ سؤر کا گوشت ان کو حیثیت
مجموعی کیا بنا دیگا اور بنا رہا ہے۔ سبزیوں پر زور دینے والی اور گوشت کو کلیۃً
ترک کر دینے والی اقوام تدبّر سے کام لیں کہ اس اسراف کا کیا نتیجہ ہوگا اور
ہو رہا ہے۔ گوشت کا نامناسب استعمال کرنے والی اقوام خیال کریں کہ یہ
عادت ان کو کس طرف لے جا رہی ہے۔ بغیر غور اور تدبّر کے یونہی رحم رحم
پکارنا آسان ہے مگر خدارا غور تو کرو کہ اس رحم کے کیا معنی ہیں۔ اس کے
معنی ہیں انسان پر ظلم کرنا۔ ایک حیوان جو انسان ہی کی خاطر بنایا گیا
ہے اس کے گلے پر چھری پھرتی ہوئی تم کو تکلیف دیتی ہے لیکن انسان
کی اجتماعی اخلاقی زندگی پر موت وارد کرنا تم کو بھلا معلوم ہوتا ہے۔ اسکی
کیا وجہ ہے؟ یہی کہ حیوان کی جسمانی زندگی نکلتے ہوئے تم اپنی آنکھوں سے
دیکھتے ہو لیکن انسان کی اجتماعی اخلاقی موت دیکھنے کے لئے تمہاری ان آنکھوں
میں طاقت نہیں۔ ایک مذبوح جانور تمہارے سامنے تڑپتا ہے اور تمہارا
دل بھر آتا ہے لیکن نسل انسانی کی اخلاقی زندگی کی مذبوحی حرکات
تمہیں نظر نہیں آتیں اس لئے تم کو اس کی پروا نہیں۔ سنو! تم ایک معمولی
سپاہی کی زندگی پر جھوٹا ترس کھا کر ایک نہایت آزمودہ کار اور قابل جرنیل کو
اپنے ہاتھوں سے کھو رہے ہو۔ نہیں یہ مثال بھی غلط ہے کیونکہ ایک سپاہی
اور جرنیل میں پھر بھی کوئی نسبت ہے لیکن ایک حیوان کی جسمانی زندگی اور
نسل انسانی کی اخلاقی زندگی کے درمیان سچ پوچھو تو کوئی نسبت ہی نہیں۔
پس نتائج پر غور کرو۔ جھوٹے جذبات کے پیچھے نہ چلو۔ خداداد عقل مشاہدہ
اور تجربہ کی روشنی میں اپنی نظر سے کام لو۔ پھر تم اشیاء کی کنہ تک پہنچو گے
اور تمہاری نظر حقائق کے پاتال تک چھیدتی ہوئی نکل جائیگی ؛

ہاں یہ بھی تو غور کرو کہ کوئی مذہب و ملّت ایسا نہیں کہ جس کے سلف

گوشت خوری سے پرہیز کرتے ہوں اور صرف سبزیوں پر گذارہ کرتے ہوں۔ آج ہندو مذہب سبزی خوروں میں سب سے نمایاں حیثیت رکھتا ہے مگر کون نہیں جانتا کہ ہندوؤں کے بزرگ اور ان کے مذہب کے بانی گوشت کھاتے اور خوب کھاتے تھے۔ یورپ کے عیسائیوں میں اس وقت بعض سبزی خوری کی طرف مائل نظر آتے ہیں اور گوشت خوری کو ظلم قرار دیتے ہیں مگر کیا یہ سچ نہیں کہ مسیحیت کا بانی گوشت خور تھا اور بنی اسرائیل کے تمام گذشتہ انبیاءؑ گوشت کھاتے تھے۔ یہ اس لیئے کہ وہ لوگ اس حقیقت کو سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ ایک جانور کی جسمانی زندگی نسل انسانی کی اخلاقی زندگی کے مقابلہ میں قربان کر دینے کے قابل ہے ؛

قابل توجہ موصیان

جو احباب اپنی وصیّت کے حساب میں روپیہ بھیجتے ہیں۔ چونکہ مفصل پتہ تحریر نہیں فرماتے اسلئے یا تو صحیح اندراج کے واسطے بہت سا وقت ضایع ہوتا ہے اور دقّت ہوتی ہے۔ اور یا غلطی سے کسی اور ... ... شخص کے حساب میں روپیہ درج ہونیکا احتمال ہوتا ہے۔ مثلاً بعض لوگ صرف نمبر وصیت تحریر فرماتے ہیں۔ اور وہ غلط ہوتا ہے۔ بعض موصی فقط اپنا نام تحریر فرماتے ہیں۔ اور نمبر وصیت نہیں لکھتے۔ حالانکہ ایک نام کے کئی موصی ہوتے ہیں۔ بعضے اپنی اہلیہ کا نام نہیں لکھتے اور کتابوں میں نہیں نام ہوتا ہے۔ پس ان تمام دِقّتوں کو رفع کرنے کے لیئے روپیہ بھیجتے وقت نام ولدیت اصل و حال سکونت اور نمبر وصیت نوٹ ہونا ضروری ہے۔ اگر نمبر وصیت معلوم نہ ہو تو دفتر سے معلوم کر لیا جاوے ؛

افسر مقبرہ بہشتی

فاضل صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۱۹ء

بورڈران ہائی	۳	۱۲	۱۳۱
مدرسہ احمدیہ	۷	۸	۶۵۳۱
بیت المال	۱۱	۸	۱۳۰۲۹
تعمیر	۳	۱۵	۴۵۴
یتامیٰ	۱۰	۵	۲۵۹
متفرقات	۶	۲	۴۹۹۰
صدقات	۰	۱۲	۲۷۲۴
میزان	۴	۱	۳۱۷۲۲

بقایا صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۱۹ء

تعلیم	۹	۲	۱۰۸۰۴
اشاعت اسلام	۴	۳	۶۴۱۱
مقبرہ بہشتی	۸	۱۱	۱۰۱۹۵
مساکین	۸	۴	۸۴۲۱
زکوٰۃ	۸	۶	۱۷۳۰
مستقل فنڈ	۶	۲	۳۹۰۲
امانت اندرونی	۰	۳	۷۵۸۹
" بیرونی	۰	۰	۹۵
بورڈران احمدیہ	۰	۹	۶۷۶
از ملازمین پرائیویٹ فنڈ	۰	۷	۳۵۱
از انجمن پرائیویٹ فنڈ	۵	۷	۳۵۱
میزان	۷	۹	۵۰۵۲۸
فاضلہ	۴	۱	۳۱۷۲۲
باقی	۳	۸	۱۸۸۰۶
پیشگی	۶	۸	۱۲۱۹۶
اصل باقی	۹	۱۵	۶۶۰۹

ناظر
محمد اشرف

محاسب
عبد المغنی

بقایا صیغہ جات یکم مارچ ۱۹۱۹ء کو

مد	روپیہ	آنہ	پائی
تعلیم	۹۶۲۵	۱۰	۱
مساکین	۸۶۱۴	۵	۸
اشاعت	۶۳۹۰	۸	۱۰
مقبرہ	۱۰۵۱۹	۱	۲
زکوٰۃ	۱۸۰۵	۱۳	۸
مستقل فنڈ	۳۹۰۲	۲	۶
امانت اندرونی	۷۱۳۴	۳	۰
" بیرونی	۹۵	۰	۰
بورڈران احمدیہ	۲۶۹	۶	۹
پراویڈنٹ فنڈ	۹۹۶	۱۰	۰
بورڈران ہائی	۹۰۴	۱	۰
میزان	۵۰۲۴۶	۱۴	۸
منہائی فاضل	۳۳۸۵۲	۳	۶
	۱۶۳۹۴	۱۱	۲
منہائی پیشگی	۱۴۹۳۱	۸	۶
باقی نزد امین	۱۴۶۳	۲	۸

فاضل صیغہ جات یکم مارچ ۱۹۱۹ء کو

مد	روپیہ	آنہ	پائی
مدرسہ احمدیہ	۶۵۹۷	۱۱	۱۱
بیت المال	۱۲۵۷۶	۱	۱۱
صدقات	۳۹۶۰	۱۰	۹
متفرقات	۵۸۷۰	۶	۴
تعمیر	۴۶۴۶	۱۵	۹
یتامیٰ	۲۰۰	۴	۱۰
میزان	۳۳۸۵۲	۳	۶

تفصیل رقوم پیشگی

مد	روپیہ	آنہ	پائی
تعلیم	۱۱۰۵	۰	۰
بیت المال	۱۰۸۸۵	۸	۶
مقبرہ	۲۲۰	۰	۰
بورڈران احمدیہ	۲۳۵	۰	۰
دفتر سکرٹری	۳۹۶	۰	۰
ڈاک	۵۰	۰	۰
اشاعت اسلام	۱۱۰۰	۰	۰
تعمیر	۶۰۰	۰	۰
محاسب	۲۵	۰	۰
ناظر	۵	۰	۰
شفاخانہ انگریزی	۳۱۰	۰	۰
میزان	۱۴۹۳۱	۸	۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم — نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

از دفتر ریویو آف ریلیجنز قادیان دارالامان

مکرّم بندہ ۔ السّلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

میرا خیال خیال ہے کہ آپکی انجمن کے تمام ممبروں کو اب تک حضرت اقدس مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کی اطلاع نہیں جو ان الفاظ میں ہے کہ ” اگر خدانخواستہ یہ رسالہ کم توجہی اس جماعت سے بند ہو گیا تو یہ واقعہ اس سلسلہ کیلئے ایک ماتم ہو گا “ وغیرہ وغیرہ ۔ چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہر ایک ارشاد کی تعمیل تمام احمدیوں کا پہلا فرض ہے ۔ مجھے یقین ہے ۔ آپ خود اسے تمام ممبروں کو سنائیں اور حضرت اقدسؑ کے ارشاد کے مطابق خود بھی رسالہ کی اشاعت میں پورا حصّہ لینگے اور دوسرے احمدی احباب کو بھی جو آپکے قریب ہوں اور ابتک رسالہ کے خریدار نہیں ہوئے ۔ اس رسالہ کی اطلاع دیکر اس کا اجر اللہ تعالیٰ سے لینگے اُردو رسالہ کی قیمت ع۸ سالانہ اور انگریزی کی صہ سالانہ ہے جو رسالہ کے اجراء کے وقت پیشگی وصول ہونی ضروری ہے ۔ یا پہلا پرچہ قیمت مذکور میں وی پی بھیجا جاسکتا ہے ؁

نوٹ :۔ اگر کسی بھائی کو رسالہ کی پوری قیمت دینے کی طاقت نہ ہو (اگرچہ ع۸ سالانہ کوئی بڑی رقم نہیں) تو ایک دو مکرر مل کر ایک ایک رسالہ خریدیں مگر کسی بھائی کو اس کار خیر سے علیحدہ نہیں رہنا چاہیے ؁

آپکے جواب کا منتظر ہیڈ کلرک میگزین

شرح اجرت اشتہارات ریویو آف ریلیجنز

میعاد	پورا صفحہ		نصف صفحہ		چوتھائی صفحہ		ایک سطر	
	انگریزی	اُردو	انگریزی	اُردو	انگریزی	اُردو	انگریزی	اُردو
سالانہ	سے	سہ	عسہ	عسہ	وعسہ	وعسہ	عا	عا
ششماہی	عسہ	عسہ	وعسہ	وعسہ	عسہ	عسہ	عہ/	عہ/
سہ ماہی	عسہ	عسہ	سے/	سے/	۸ہ/	۸ہ/	۸/	۸/
ایک دفعہ	صہ/	صہ/	للعہ/	للعہ/	سے/	سے/	۴/	۴/

تمام درخواستیں دفتر میگزین قادیان ضلع گورداسپور آنی چاہئیں

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۱۷۹

امراض مستورات کی دوا

عورتوں کی بیماری میں نہایت ہی مفید۔ مارکین ملک کی مشہور دوائیں دائی برنیم اور ویدک کی قدیم زمانہ کی مشہور دوائیں اسوک وغیرہ کئی ایک دوائیوں کو ملا کر یہ دوا تیار کی گئی ہے اور اسکی آزمائش بھی واقعی طور سے ہوتی آئی ہے یہ ہر اقسام کے امراض مستورات کی دوا ہے۔ کمزور رحم (بچہ دان) کو طاقت دیتی ہے اور صاف رکھتی ہے اس لئے رحم کی کل بیماریوں میں فائدہ کرتی ہے اس سے حیض کی خرابی یعنی کم زیادہ دنوں میں حیض ہونا۔ کمر۔ پیڑو۔ جانگھوں اور سر میں درد ہونا جی متلانا وغیرہ دُور ہوتا ہے قیمت عہ محصولڈاک ۶

دیکھئے جناب غلام جیلانی محمد عبداللطیف صاحب سوداگر شہر ناگپور کیا تحریر فرماتے ہیں:

میرے مکان میں عرصہ ۳ ماہ سے رحم کی بیماری کی شکایت تھی مریضہ بہت ہی کمزور ہو گئی تھی حکیموں ڈاکٹروں نے بہت کچھ علاج کیا مگر کچھ بھی فائدہ نہیں ہوا سبھوں نے تیسرے درجے کا تپ دق تجویز کیا تھا آخر مایوس ہو کر آپ کی بنائی ہوئی امراض مستورات کی جیبی تاپ ناگپور سے خرید کر استعمال کرایا خدا کی عنایت سے پہلے ہی روز سے پیٹ کا درد کم ہونے لگا بہت جلد فائدہ ہوا۔ ماہواری حیض بھی خلاصہ ہوا ایک شیشی کے استعمال سے سفید رطوبت جو روزانہ جاری رہتا تھا بند ہو گیا اب دوسری شیشی شروع کرا دی گئی ہے مریضہ کو طاقت بھی آ گئی اور چہرہ پر رونق بھی معلوم ہوتا ہے میری اس تحریر کو خدا واسطے مشتہر کر دیجئے تاکہ بیچاری ہندوستانی عورتیں اس دوا سے فائدہ اٹھائیں۔

فصلی بخار اور طحال کی دوا

آجکل سینکڑوں اشتہار فصلی بخار و طحال کی دوا کا آپ دیکھتے ہونگے انمیں عموماً کونین رہتی ہے اسلئے جو دوائیں بخار کو کچھ وقت تک روک تو دیتی ہیں لیکن آرام نہیں کر سکتی ہیں ایسے بخار کیلئے ڈاکٹر ایس۔ کے برمن کی فصلی بخار کی دوا چند روز میں ایکدم آرام کرنیکا خاص دعویٰ رکھتی ہے اور عوام کے فائدہ کو مد نظر رکھکر قیمت بھی بہت ہی کم رکھی گئی ہے۔ اس میں تین خاص صفتیں ہیں (۱) یہ ملیریا کے کیڑوں کو مار دیتی ہے (۲) یہ خون کو گاڑھا کرتی ہے (۳) یہ تلی کو گلاتی ہے۔ قیمت شیشی کلاں ۱۲ر شیشی خورد ۸ر محصولڈاک ۷ر اور ۸ر

ڈاکٹر ایس۔ کے برمن نمبر ۵ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

(مطبع میگزین قادیان میں باہتمام شیخ محمد نصیب صاحب پرنٹر و پبلشر چھپکر صدر انجمن احمدیہ کیلئے شائع ہوا۔)